اپریل ۱۹۹۲ء

ماہنامہ

ترجمان القرآن

بہ تبریک ادارہ معارف اسلامی

جاری کردہ:

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

جلد ۱۱۹ اپریل ۱۹۹۳ء عدد ۴

ماہنامہ ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

رجسٹرڈ نمبر ایل۔ ۵۳۴۰

ماہنامہ **ترجمان القرآن** لاہور

جلد ۱۱۹ عدد ۴

اپریل ۱۹۹۳ء شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

فہرست مضامین

برائے ادارتی امور: منصورہ، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۷۰ ... فون نمبر ۷۰۱۲۴-۸ ۔ فیکس (۰۴۲) ۷۸۳۴۱۹۴۲

برائے انتظامی امور: رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور ۵۴۰۰۰ فون نمبر: ۲۳۴۰۱۴ - ۲۳۶۶۶۵

پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ مینجر ترجمان القرآن لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

کراس چیکس قابل وصول نہ ہونگے۔

فی پرچہ ۶ روپے ○ زر سالانہ: ۶۰ روپے (اندرون ملک)

عرب ممالک، خلیجی امارات و برصغیر: ۱۸۰ روپے یورپ: ۲۵۰ روپے امریکہ و آسٹریلیا: ۳۲۵ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ملک مید محمد پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور سے شائع کیا

اشارات

خرّم مراد

دعوتِ عام اور جہاد فی سبیل اللہ کی راہ جس طرح گہری لِلّٰہیت' سب سے کٹ کر صرف اللہ کا ہو رہنے' اور سب سے بڑھ کر اسی سے محبت کرنے کے بغیر طے نہیں ہو سکتی' اسی طرح مخلوقِ خدا سے محبت' ان کے حقوق کی رعایت' اور ان کے ساتھ اخلاقِ حسنہ کے بغیر بھی یہ منزل سر نہیں ہو سکتی۔ حبِ الٰہی کا لازمی نتیجہ حبِ خلقِ الٰہی ہے۔ جہاں ایمان کا بیج ہوگا' وہاں یہ دونوں شاخیں ضرور پھوٹیں گی۔ " جو ایمان لاتے ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں " (البقرہ ۲ :۱۶۵)' اور اللہ کی محبت ہی میں وہ اپنا مال اور اپنا سب کچھ اس کے بندوں کے لیے خرچ کرتے ہیں' لٹاتے ہیں' اور مٹاتے ہیں : وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ (البقرہ ۲ : ۱۷۷)''اور اسی کی محبت کی خاطر وہ مال دیتا ہے''" وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ (الدھر۷۶ : ۸)''اور اسی کی محبت کے مارے کھانا کھلاتا ہے " ۔ نماز اور زکوٰۃ اسی لیے شجرِ ایمان کے دو توام تنے ہیں کہ ایک خالق کی محبت کا مظہر ہے تو دوسرا مخلوق کی محبت کا۔

نیکیاں اپنی حقیقت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ رکھتی ہیں ' نیکیوں کے بھی خاندان اور شجرے ہوتے ہیں۔ دیکھیے' جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے قیامِ لیل اور سحر کے وقت استغفار کی تاکید فرمائی ' تو بالکل اس سے متصل " خرچ کرنے " کی ہدایت بھی دی ۔ خرچ کرنا صرف مال کا نہیں' بلکہ اپنے وقت کا' محنتوں کا' جسم و جان کی قوتوں کا' حتیٰ کہ اپنے وجود کا ---- " جو کچھ بھی ہم نے رزق دیا ہے اس میں سے " ۔ جب فرمایا کہ " ان کی پیٹھیں بستر سے الگ رہتی ہیں" ---- تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ " جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں " (السجدہ ۳۲ : ۱۶)۔ جب کہا کہ " راتوں کو کم ہی سوتے تھے' اور رات کے پچھلے پہروں

میں معافی مانگتے تھے " ـــــ تو فوراً "بعد یہ بھی کہا "ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کا"(الذاریات ۵۱ : ۱۷ـ۱۹) ـ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے تو اسلامی معاشرہ ' ریاست اور تہذیب کے روزِ اوّل جو کلماتِ ہدایت ارشاد فرمائے وہ یہ تھے کہ "سلام پھیلاؤ (صرف سلام کرنا نہیں ' بلکہ یہ کہ آپس میں جان و مال اور عزت کی سلامتی عام کر دو' اور کھانا کھلاؤ ' اور رات کو نماز پڑھو جب لوگ سوئے پڑے ہوں ' سیدھے جنت میں داخل ہو جاؤ گے "۔(ترمذی عن عبداللہ بن سلامؓ)

رمضان کا مہینہ بھوک پیاس کی ریاضت ' قرآن کی تلاوت اور قیامِ لیل ہی کا مہینہ نہیں ' باہمی غم گساری کا مہینہ بھی ہے۔ نبی کریمؐ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے ' لیکن رمضان کے مہینہ میں آپ اتنی سخاوت فرماتے کہ گویا انتہائی تیز ہوا چل رہی ہو۔(مشکوٰۃ عن عبداللہ بن عباسؓ)

ذرا ایک نظر ان ہدایات پر ڈالیے جو اللہ تعالیٰ نزولِ وحی کے آغاز سے اپنے نبیؐ کو مسلسل دیتا رہا' تو دعوت اور اخلاقِ حسنہ کا رشتہ آپ کے سامنے بالکل کھل جائے گا۔ بالکل شروع ہی میں کہا گیا کہ " اٹھو اور خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو " ـــــ تو اس کے فوراً "بعد یہ بھی کہا گیا کہ " اور اپنے کپڑے پاک رکھو " (المدثر) ۔پاک دامنی اور دامنِ دل کے وسیع معانی سے اردو دان بھی خوب آشنا ہیں ' اور اہلِ عرب بھی کپڑوں کی پاکی سے یہی سمجھتے تھے کہ دامن پاک رکھو' یعنی اپنے اخلاق پاکیزہ رکھو' بدمعاملگی اور بداخلاقی کا داغ نہ لگنے دو' دامنِ دل بھی شرک و معصیت کی نجاست سے پاک رکھو۔ امر بالمعروف کا حکم دیا تو اس سے قبل کہا کہ " اے نبیؐ" نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو " اور بعد میں " جاہلوں سے نہ الجھو " کی ہدایت دی (الاعراف)۔ اسی طرح امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے حکم کے ساتھ جہاں صبر و صلوٰۃ کی تعلیم دی' وہاں اس کے بعد تفصیل سے یہ ہدایت بھی دی گئی کہ " لوگوں سے منہ پُھلا کر بات نہ کر' نہ زمین پر اکڑ کر چل' اللہ کسی اکڑنے والے اور بڑائیاں مارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر' اور اپنی آواز پست رکھ' سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے " (لقمان)۔ اسی بات کو یوں بھی کہا گیا کہ " رحمان کے (اصلی) بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں' اور جاہل انکے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام۔ (یہ وہ ہیں) جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں " (الفرقان) ۔

میانہ روی اور نرمی صرف چال ڈھال کی مراد نہیں' بلکہ چال چلن میں ' روش میں ' برتاؤ میں ' زندگی کے تمام معاملات میں ' دین کے سارے کاموں میں ' اور بالخصوص دعوت و جہاد کے

عظیم و پرخطر کام میں بھی نرمی اور میانہ روی مطلوب ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون جیسے ظالم و جابر اور مستبد حکمران کے پاس دعوتِ حق کے لیے بھیجا گیا' تو ہدایت کی گئی کہ "اس سے نرمی سے بات کرنا" ۔ کیوں ؟ شاید کہ وہ "نصیحت قبول کرے یا اس میں خشیت پیدا ہو" (طٰہٰ)۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ "اس سے دعاۃ و مبلغین کے لیے بہت بڑا دستورالعمل معلوم ہوتا ہے"۔ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں کہ "طریقِ دعوت سے متعلق ہدایت ہے کہ دعوت بہرحال نرمی سے دی جائے . . . نرمی اور لینت دعوت کی فطرت ہے۔ حضرات انبیاءؑ کی بعثت تعلیم و اصلاح کے لیے ہوئی' اس وجہ سے ان کی دعوت اور ان کے انذار میں ایک معلم کی شفقت اور ایک غم گسار کی دل سوزی ہمیشہ نمایاں رہی ہے۔ کسی نبی کے متعلق بھی یہ بات علم میں نہیں آئی کہ اس نے ہیکڑی جتائی اور دھونس جمائی ہو۔ سخت سے سخت حالات میں بھی ان کا طرزِ تخاطب نہایت ہی نرم' موثر اور ہمدردانہ رہا ہے۔ ہیکڑی جتانا اور دھونس جمانا دنیا پرست لیڈروں کی خصوصیات میں سے ہے۔ موجودہ زمانہ کے شیطانی پروپیگنڈہ کی تو سمجھیے ساری بنیاد ہی اس پر ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے خود داعیٔ اعظمؐ کے اخلاق کے بارہ میں یوں گواہی دی ہے کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم ۶۸ : ۴) "بیشک تم اخلاق کے بڑے مرتبہ پر ہو"۔ اور یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اگر ہزاروں انسان ـــــ ہر قسم کے انسان' خطاکار بھی اور نیک بھی' ضعیف بھی اور قوی بھی' اعلیٰ بھی اورادنیٰ بھی' مال دار بھی اور نادار بھی' مرد بھی اور عورت بھی' بوڑھے بھی اور جوان بھی ـــــ آپؐ کے پاس آئے' آپؐ سے چمٹ کر رہ گئے' آپؐ کی دعوت کو لے کر کھڑے ہوئے اور اس کے لیے سربکف ہو گئے' تو اس کی وجہ صرف کتابِ الٰہی کا آنا اور آپؐ کی دعوت کا حق ہونا نہ تھا' بلکہ ان سے بڑھ کر آپؐ کا خلقِ عظیم تھا' اور اس خلق میں سب سے نمایاں' آپؐ کی نرمی اور لینت تھی۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ
(آل عمران ۳ : ۱۵۹)

یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہیں۔ ورنہ اگر کہیں آپ تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد سے چھٹ جاتے۔

حضرت خدیجہؓ جو پچیس سال شب و روز آپؐ کی رفیقۂ حیات رہیں' آپؐ کی قبل نبوت کی زندگی کے بارہ میں' پہلی وحی کے نزول کے وقت یوں گواہی دیتی ہیں :

اللہ کی قسم! اللہ آپؐ کو ہرگز رسوا نہ کرے گا۔ آپؐ رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، بے کسوں کی خبرگیری کرتے ہیں، محروموں کے لیے کماتے ہیں، مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے ہیں اور حق کے لیے مدد کرتے ہیں۔ (بخاری، مسلم عن عائشہؓ)

حضرت عائشہؓ، جو حضرت خدیجہؓ کے بعد آپؐ کی سب سے زیادہ محبوب بیوی تھیں، یوں گواہی دیتی ہیں:

حضورؐ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی۔ آپؐ برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے، بلکہ اسے معاف کر دیتے تھے۔ آپؐ گناہ کی بات سے کوسوں دور رہتے تھے۔ آپؐ نے کبھی کسی سے اپنا بدلہ نہیں لیا... آپؐ نے کبھی کسی غلام، لونڈی، عورت یا خادم، یہاں تک کہ جانور تک کو بھی اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپؐ نے کبھی کسی کی جائز درخواست اور فرمائش کو رد نہیں فرمایا۔ (سیّد سلیمان ندوی: خطبات مدراس)

حضرت علیؓ بچپن سے جوانی تک نبی کریمؐ کی خدمت میں رہے۔ وہ گواہی دیتے ہیں:

آپؐ ہنس مکھ، طبیعت کے نرم، اور اخلاق کے نیک تھے۔ طبیعت میں مہربانی تھی، سخت مزاج نہ تھے۔ کوئی برا کلمہ کبھی منہ سے نہیں نکالتے تھے۔ لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو نہیں ڈھونڈا کرتے تھے... آپؐ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے، دل شکنی نہیں کرتے تھے بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے، کہ آپؐ رؤف رحیم تھے۔ (ایضاً)

حضرت علیؓ نے یہ بھی فرمایا کہ

آپؐ نے اپنے نفس سے یہ تین باتیں بالکل خارج کر دی تھیں، (۱) بحث و مباحثہ، (۲) بے ضرورت بات کرنا، (۳) بے مطلب کسی کی بات میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ (۱) کسی کو برا نہیں کہتے تھے، (۲) کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے، (۳) کسی کی ٹوہ میں نہیں لگتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

اخلاقِ حسنہ کا مقام آپؐ نے اپنی اس امت کے سامنے بڑے اہتمام سے اور بڑی کثرت سے واضح فرمایا جس کو امتِ وسط بن کر سارے انسانوں کے لیے شہادت علی الناس، دعوت الی الخیر، امربالمعروف، نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ کے عظیم کام سرانجام دینے تھے۔ فرمایا

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیمَاناً اَحْسَنُھُمْ خُلُقاً (ترمذی عن عائشہؓ)
ایمان لانے والوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ (مسلم عن النواس بن سمعانؓ)
نیکی بس حسنِ اخلاق ہے۔

اَحَبُّ عِبَادِ اللّٰہِ اِلَی اللّٰہِ اَحْسَنُھُمْ اَخْلَاقاً (طبرانی)
اللہ کے بندوں میں اللہ کا سب سے پیارا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔

اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبِکُمْ مِنِّی مَجْلِساً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقاً (ترمذی عن جابرؓ)

تم میں میرے سب سے زیادہ پیارے اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہیں جو تم میں سب سے زیادہ خوش اخلاق ہیں۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ (موطا)
میں حسنِ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَیُدْرِکُ بِحُسْنِ الْخُلُقِ دَرَجَۃَ الصَّائِمِ وَالْقَائِمِ (ابوداوٗد عن عائشہؓ)
بیشک مومن حسنِ اخلاق سے وہ درجہ پا سکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر نماز پڑھنے سے ملتا ہے۔

مَا مِنْ شَیْءٍ اَثْقَلُ فِی مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ (ترمذی عن ابودرداءؓ)
قیامت کے دن مومن کی ترازو میں حسنِ اخلاق سے بھاری اور کوئی چیز نہ ہو گی۔

حسنِ اخلاق کیا ہے؟ حسن بصریؒ کہتے ہیں: چہرہ کی بشاشت، فیاضی سے مال خرچ کرنا اور کسی کو ایذا پہنچانے سے اپنے کو روک لینا۔ واسطیؒ کہتے ہیں: آرام ہو یا تکلیف، ہر حال میں خلقِ خدا کو راضی کرنا۔ سہل تستریؒ کہتے ہیں: سب سے ادنیٰ درجہ ہے تحمل کرنا، بدلہ نہ لینا، ظلم کرنے والے پر رحم کرنا اور اس کے لیے استغفار کرنا اور اس پر شفقت کرنا۔ بعض لوگ کہتے ہیں: لوگوں کے قریب ہو کر رہنا اور جو معاملات ان کے درمیان ہیں ان سے اجنبی بننا۔
آپؐ جیسا کون ہو سکتا ہے کہ آپؐ صاحبِ خلقِ عظیم تھے۔ لیکن آپؐ جیسا بننے کی کوشش

میں لگے رہنے ہی سے دعوت و جہاد کی وہ راہ طے کرنا ممکن ہو سکتا ہے جو آپؐ کی راہ تھی۔ یہ بات دل پر نقش کر لینے ہی سے حسن اخلاق کی راہ آسان ہو سکتی ہے۔

اخلاقِ حسنہ میں سے کن اخلاق کو دعوت و جہاد کے لیے حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے' اور وہ کس طرح حاصل ہو سکتے ہیں' اس موضوع پر ہم انشاء اللہ آئندہ کسی شمارہ میں گفتگو کریں گے۔

افغانستان کے مجاہدین کے مختلف گروہوں کے درمیان صلح اس ماہِ رمضان کی برکتوں کا سب سے زیادہ قیمتی ثمرہ اور جاں فزا مژدہ ہے۔

عرصہ سے امتِ مسلمہ کے مطلع پر مصائب و آلام کے جو تاریک بادل چھائے ہوئے ہیں ان میں جہاد افغانستان ایک روشن لکیر بن کر نمودار ہوا۔ ہمارے نہتے افغان مسلمان بھائیوں نے 'طَیْرًا اَبَابِیْلَ کی طرح' ایمان و جہاد کی راہ اختیار کر کے 'اَصْحَابِ الْفِیْلِ کی مانند روس کی سپرپاور کو ایسی شکستِ فاش دی کہ نہ صرف کیمونزم ماسکو میں سرنگوں ہو گیا' بلکہ روسی استعمار کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ (کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح) بن کر پارہ پارہ ہو گیا۔ آج وہ خانہ جنگی کے دہانہ پر کھڑا عملِ مکافات کی اگلی گھڑی کا منتظر ہے۔ دنیا کے دوسرے استعمار بھی' جو آج کوس لِمَنِ الْمُلْک بجا رہے ہیں' انشاء اللہ جلد اپنے انجام سے دوچار ہوں گے۔ اگرچہ اس کے معنی یہ نہیں کہ امتِ مسلمہ کے سر سے مصائب و آلام اور ذلت و مسکنت کے بادل چھٹ جائیں گے' اور مشیتِ الٰہی اقوامِ عالم کی قیادت طشتری میں رکھ کے ان کے سامنے پیش کر دے گی۔ اس لیے کہ یہ سارا عمل تو لَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ (البقرہ ۲ : ۲۵۱) کے قانون کے تحت ہو رہا ہے' جب کہ امتِ مسلمہ کے لیے اقوامِ عالم کا منصب ایمان اور عملِ صالح' تقویٰ اور صبر' اور وفائے عہدِ الٰہی کے ساتھ مشروط ہے۔

بدقسمتی سے افغان مجاہدین کے گروہ' کامیابی کے بعد اور آخری روسی سپاہی کے افغانستان سے نکل جانے کے بعد' متحد ہو کر افغانستان میں میثاقِ الٰہی کی تکمیل کرنے کے بجائے باہمی تنازعات میں الجھ گئے' اور کچھ غیروں کی ریشہ دوانیوں اور اپنوں کی نیاز مندیوں اور بے تدبیریوں نے الجھا بھی دیا۔ وہی تنازعات جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح حکم دیا ہے کہ

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (الانفال ۸ : ۴۶)
آپس میں نہ جھگڑو' ورنہ (باہمی نا اتفاقی سے) تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی' (کیوں کہ قوتیں منتشر ہو جائیں گی' ایک کو دوسرے پر بھروسہ نہ ہوگا' اور اکیلا کوئی کیا کر سکتا ہے)' اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور (اگر کوئی بات ناگواری کی پیش آئے تو اس پر) صبر کرو' (یعنی اپنے جذبات و خواہشات کو قابو میں رکھو)' بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

افغانستان کی اس صورت حال پر ہر مسلمان غم و تشویش میں مبتلا تھا کہ مسلمانوں کا خون مسلمانوں کے ہاتھوں بہہ رہا تھا' اور جہاد کی کامیابی کے بعد کابل امن و اطمینان کا گہوارہ بننے کے بجائے تباہی و بربادی کے راستہ پر بڑھ رہا تھا۔

ان حالات میں یہ معاہدۂ صلح روشنی کی ایک کرن ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جماعتِ اسلامی کو بھی اس مرحلہ میں نمایاں خدمات انجام دینے کا موقع عطا فرمایا۔ افغانستان کے صدر اور جمعیتِ اسلامی کے سربراہ' جناب برہان الدین ربانی' اور حزبِ اسلامی کے امیر' جناب گلبدین حکمت یار' دونوں کی دعوت پر امیرِ جماعتِ اسلامی پاکستان' محترم قاضی حسین احمد صاحب' جماعت کے ایک سولہ رکنی وفد کے ساتھ کابل تشریف لے گئے۔ صبر اور انتھک محنت سے مجاہدین کے دونوں بڑے گروہوں' یعنی حزبِ اسلامی اور جمعیتِ اسلامی کے درمیان مفاہمت اور صلح و آشتی کی راہ ہموار کی۔ یہ سب باذن اللہ ہی ممکن ہوا' کہ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال ۸ : ۱۷) "یہ آپ نے نہیں پھینکا جب آپ نے پھینکا' بلکہ اللہ نے پھینکا"۔

کسی ایک جماعت کی کوششوں سے وجود میں آنے والا معاہدہ پائدار نہ ہوتا جب تک کہ اسے پاکستان' ایران اور سعودی عرب کی ضمانت حاصل نہ ہوتی۔ چنانچہ محترم امیرِ جماعت نے تمام گروہوں کو پاکستان کی طرف سے بات چیت کی دعوت قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ جناب حکمت یار تو جلال آباد سے اس وقت تک آگے نہ بڑھے جب تک محترم امیرِ جماعت نے ان کو تاکید نہ کی۔ مذاکرات اسلام آباد کے دوران محترم امیرِ جماعت اور نائب امیرِ جماعت' پروفیسر خورشید احمد صاحب رات دن افغان مجاہد لیڈروں کے درمیان اختلافات کو کم کرنے اور معاہدہ کرا دینے کے لیے کوشاں رہے۔ اور بالآخر معاہدہ اسلام آباد پر دستخط ہو گئے۔ پھر مسجدِ نبوی اور خانہ کعبہ میں اس کی مزید توثیق ہوئی' اور سعودی عرب اور ایران نے اس کا ضامن بننا قبول کر لیا۔ وزیرِ اعظم پاکستان' جناب نواز شریف اور صدر پاکستان' جناب غلام اسحاق خاں بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ بالآخر اس

مسئلہ کے حل کے لیے وہ وہی راہ اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے جو محترم امیرِ جماعت نے معاہدۂ پشاور سے پہلے انکے سامنے رکھی تھی۔ فللّٰہ الحمد علیٰ ذالک۔

معاہدہ بہرحال صلح، امن، اور اسلامی افغانستان کی تعمیر کی راہ پر پہلا قدم ہے۔ آگے بہت سی رکاوٹیں اور پر خطر گھاٹیاں ہیں۔ دشمن ازلی گھات میں بیٹھا ہوا ہے، اور ہر طرف سے حملہ آور ہو گا --- ایک انتہائی دشوار مرحلہ کابینہ کی تشکیل کا ہے - یہ آسان کام نہیں کہ ہر گروہ کو مناسب نمائندگی مل جائے، اور اس کا مطالبہ نہ بھی پورا ہو تو شیطان وسوسہ ڈال کر اسے نقضِ عہد کی راہ پر نہ لے جا سکے۔ دوسرا مشکل مرحلہ ان غیر جہادی قوتوں کے ساتھ، جو قوت واثر کی مالک ہیں، ایسا سلوک کرنا ہے کہ وہ دشمنی سے باز بھی آ جائیں اور مقاصد جہاد کو سبوتاژ کرنے کے بجائے ممد و معاون بن جائیں۔ تیسرا مشکل مرحلہ تمام فوجی گروپوں کو، بمع ان کے اسلحہ اور سازوسامان کے، متحد کر کے ایک فوج کی تشکیل ہے۔ اور سب سے کٹھن اور صبر آزما کام افغانستانِ نو کی تعمیر ہے۔

اگر للّٰہیت میں کمی ہوئی، لَاتَنَازَعُوا کی تعمیل نہ ہوئی، تو کسی بھی مشکل کے وقت فتنہ پیدا ہو سکتا ہے، اور معاہدہ کا کچا دھاگہ ٹوٹ سکتا ہے۔ یہ وقتِ دعا ہے - تمام اہلِ پاکستان کو دل و جان سے دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجاہدین کے دلوں کو الفت کے رشتہ میں جوڑ دے اور جوڑے رکھے، کہ یہ الفت اسی کے فضل سے حاصل ہو سکتی ہے۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ط
(الانفال ۸ : ۶۳)

تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے، مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے۔

دین میں تحریف

اور

بدعت کے اسباب

جو صاحبِ سیاستِ کبریٰ' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا دین لے کر آیا ہو جو تمام ادیان کا ناسخ ہو' اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اپنے دین کو فتنہ تحریف کی دست برد سے محفوظ کردے' کیونکہ اس کی عام اور ہمہ گیر دعوت مختلف استعداد' مختلف مزاج اور مختلف اغراض و مقاصد رکھنے والی جماعتوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرتی ہے۔

ایسا ہوا کرتا ہے کہ لوگ اپنی ہوا پرستی یا اپنے پہلے مذہب کی محبت کی وجہ سے مصالح شریعت کا کامل احاطہ نہ کرنے والی فہم نارسا کے اشارہ پر بہت سی منصوص تعلیماتِ شرع کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں اور کبھی اس میں غیر شرعی تخیلات اور تعلیمات ٹھونس دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سارا دین مسخ اور درہم برہم ہوجاتا ہے جیسا کہ بہت سے قدیم مذاہب کی تاریخ گواہ ہے لیکن چونکہ اس فتنہ کے دروازے بے شمار اور ان کی تعداد غیر متعین ہے اور سب کا استقصا ممکن نہیں۔ لہٰذا شارع کے لیے ضروری ہے کہ امت کو اجمالاً اسبابِ تحریف سے ڈرا کر متنبہ کردے اور اس کے لیے چند ایسے اصولی مسائل کو مخصوص کرلے جن کے بارے میں قیاس کہتا ہے کہ عموماً تہاون اور تحریف کے فتنے بنی نوع انسان میں انہی راستوں سے گھسا کرتے ہیں' اور ان راستوں کو اچھی طرح بند کردے۔ اس تہدید و انذار کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی شریعت میں ایسی چیزوں کو داخل کرے جو مسخ شدہ اور باطل مذاہب کے اصولی اور مشہور ترین رسوم و شعائر کے بالکل مخالف ہوں مثلاً نماز وغیرہ تاکہ کوئی ظاہری تشابہ باقی نہ رہ جائے اور کسی پرانے مذہب کے شعائر سے مداہنت کا امکان باقی نہ رہے۔

تہاون

تحریف کے اسباب میں سے ایک تہاون ہے یعنی احکامِ شرع سے بے پروائی۔ تہاون کی حقیقت یہ ہے کہ رسولؐ کے تربیت یافتہ حواریوں کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہونے لگیں جو نماز کو ضائع کر کے شہوات کی پیروی میں غرق ہوں، علم و عمل اور تعلیم و تعلم کے ذریعہ دین کی اشاعت کا اہتمام چھوڑ دیں اور امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے کنارہ کش ہوجائیں اور اس طرح چند روز بعد مخالفِ دین رسوم پیدا ہوجائیں اور بحیثیتِ مجموعی عام طبائعِ انسانی کا رجحان مزاجِ شریعت کے خلاف ہوجائے۔ پھر ایسے دوسرے خلف آئیں جو شریعت سے بے اعتنائی کے اس جرم میں اور زیادہ آگے بڑھ جائیں یہاں تک کہ علمِ دین کا اکثر حصہ نسیاً منسیاً ہو کر رہ جائے۔ یوں تو امت کے ہر طبقہ کا تہاون خطرناک اور مضرت رساں ہے مگر جب اس کا صدور روساء و اکابرِ قوم سے ہو تو پھر اس کی مضرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اسی سبب سے حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کی شریعتیں برباد ہوگئیں اور آج ان کے اصلی خط و خال کا سراغ لگانا قریباً ناممکن ہوگیا ہے۔

تہاون کے چند اسباب و ذرائع یہ ہیں:

۱۔ پہلا سرچشمہ تہاون کا صاحبِ شریعت کی روایات کو محفوظ نہ رکھنا اور ان کے مطابق عمل نہ کرنا ہے۔

مندرجہ ذیل ارشادِ نبویؐ اسی فتنہ سے باخبر کر رہا ہے:

دیکھو عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب طعام، شراب سے ایک بدمست انسان اپنے تخت پر بیٹھ کر کہے گا کہ تم اس قرآن کو مضبوط پکڑ لو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ اسی کو حرام سمجھو اور جس شے کو حلال پاؤ اسی کو حلال سمجھو۔ حالانکہ خدا کے رسول کی حرام کی ہوئی چیز بھی ویسی ہی قطعی الحرمت ہے "جیسی خود اللہ کی حرام کی ہوئی"۔

اسی بات کو دوسری جگہ فرمایا:

اللہ تعالیٰ لوگوں کے سینوں سے علم نہیں اٹھائے گا بلکہ علما کو اٹھا لے گا اور ان کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جائے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہ جائے گا اس وقت لوگ جاہلوں کو امام بنا کر ان کی طرف رجوع کرنے لگیں گے۔ ان سے مسئلہ پوچھا جائے گا اور وہ بغیر کسی علم و بصیرت کے فتویٰ دیں گے، خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی

گمراہی کے جہنم میں ڈال دیں گے۔

۲۔ دوسرا سبب ایسی اغراضِ فاسدہ ہیں جو من گھڑت تاویلات پر آمادہ کرتی ہیں مثلاً نفس پرست امراو ملوک کی طلب و رضا جس کی وجہ سے انسان ان کی ہوا پرستیوں کے لیے کلامِ الٰہی کی غلط تاویلیں کر کے سندِ جواز مہیا کرتا ہے۔ آیتِ ذیل ایسے ہی ایمان فروشوں کو مخاطب کرتی ہے۔

"جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کو چھپاتے ہیں اور اس کے عوض تھوڑا سا معاوضہ حاصل کرتے ہیں، وہ اور تو کچھ نہیں مگر اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔"
(سورہ البقرہ ۲:۱۷۴)

۳۔ تہاون کا تیسرا منبع منکرات اور فاحشات کا امت میں پھیل جانا اور علما کا ان پر خاموشی اختیار کرلینا ہے۔ اسی حالت کے متعلق قرآن کہتا ہے:

"تم سے پہلے گزرنے والی اقوام میں ایسے اربابِ خیر کیوں نہ ہوئے جو لوگوں کو ارضِ الٰہی میں فساد برپا کرنے سے روکتے (ہاں ایسے لوگ تھے تو سہی) مگر بہت کم تھے جنہیں ہم نے عذاب سے بچالیا۔ رہے ظالم و نافرمان لوگ تو وہ اسی لذتِ دنیوی میں سرشار رہے جو انہیں دی گئی تھی اور یہ لوگ کچھ تھے ہی بدکردار۔" (سورہ ہود ۱۱:۱۳)

بنی اسرائیل کی معصیت پرستی پر تبصرہ کرتے ہوئے آنحضرت صلعم فرماتے ہیں:

"ان کے علماء نے انہیں برائیوں سے روکا لیکن وہ نہ رکے۔ پھر علما ان سے قطع تعلق کرنے کے بجائے ان کی مجلسوں میں اٹھنے بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایک دوسرے سے مار دیا (یعنی سب کو معصیت کی سیاہی میں رنگ دیا) اور داؤد و عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے ان پر لعنت کی، کیونکہ وہ خدا کی نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ گئے تھے۔"

تعمق

تحریف کا دوسرا سبب تعمق تھا یعنی خواہ مخواہ بال کی کھال نکالنا۔ اس کی متعدد صورتیں ہیں مثلاً یہ کہ جب شارع کسی چیز کا حکم دے یا کسی کام سے روکے تو اس کے حکم کو سن کر کوئی شخص اپنے ذہن کے مطابق خود ایک معنی متعین کرے پھر وہی حکم اپنی طرف سے کسی ایسی دوسری چیز پر عائد کردے جو بعض وجوہ سے پہلی شے کے مشابہ ہو، یا دونوں میں کسی پہلو سے اشتراکِ علت

نظر آئے، یا ایک شے کے حکم کو اس کے تمام اشکال اور متعلّقات اور اجزا پر علیحدہ علیحدہ جاری کردے یا جب کبھی روایات کے تعارض کی وجہ سے اصل حکم اور اس کے صحیح محل و موقع کی تمیز نہ کرسکے تو تمام صورتوں میں سے سخت ترین صورت کو اختیار کرکے اسے واجب سمجھ لے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل کو عبادت پر محمول کرے (حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے بہت سے افعال محض عادت کے طور پر کیے ہیں، عبادت سے ان کا کوئی تعلق نہیں) اور یہ خیال کرکے کہ یہ تمام امور شریعت کی حیثیت رکھتے ہیں اور امر و نہی کے ذیل میں آتے ہیں، حکم لگا دے کہ خدا نے ان کاموں سے روکا ہے اور ان کاموں کا حکم دیا ہے۔ یہ تمام صورتیں **تعمق فی الدین** کی ہیں مثال کے طور پر روزہ کے احکام کو لے لو۔ شارع نے جب نفسِ حیوانی کو مغلوب کرنے کے لیے روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اس میں مباشرت سے منع فرمایا تو بعض لوگوں نے سمجھا کہ سحری کھانا بھی خلافِ شرع ہے، کیونکہ اس سے روزہ کا مقصد (یعنی نفس کشی) فوت ہوجاتا ہے۔ نیز روزہ دار کے لیے بیوی کا بوسہ لینا بھی ناجائز ہے کیونکہ وہ مباشرت کا داعیہ ہے۔ بلکہ قضائے شہوت میں ایک طرح مباشرت کے مشابہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان خیالات کی اطلاع پہنچی تو آپ نے ان غلطیوں کو واضح کرکے فرمایا کہ اس قسم کا قیاس تحریفِ دین ہے۔

تشدّد

تحریف و بدعت کا تیسرا دروازہ تشدد ہے، یعنی ایسی سخت اور شاق عبادتوں کا اختیار کرنا جن کا شارع نے حکم نہیں دیا۔ مثلاً مسلسل روزے رکھنا، ہروقت نماز اور مراقبہ میں مصروف رہنا، تجرد اختیار کرنا، سنن و آداب کا واجب اور فرض کی طرح التزام و اہتمام کرنا وغیرہ۔ چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمر اور عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہما نے ایسی ہی سخت ریاضتوں کا ارادہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کرتے ہوئے فرمایا کہ "جب کوئی شخص دین کے ساتھ سختی برتے گا اور اپنے نفس کو ناقابلِ برداشت عبادتوں میں مبتلا کرے گا، تو وہ دین کی پیروی سے عاجز ہوجائے گا۔"

اس تعمق یا تشدد کو اختیار کرنے والا جب کسی گروہ کا امام اور معلم بن جاتا ہے تو اس کے مقلد یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ سارے امور جنہیں ان کا امام بطور عبادت کے سرانجام دے رہا ہے، شرعی احکام ہیں اس طرح یہ تمام چیزیں جزوِ دین خیال کی جانے لگتی ہیں۔ یہود اور عیسائی راہبوں

کی یہی وہ خطرناک روش تھی جس نے دین کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

استحسان

تیسرا سبب استحسان ہے، یعنی جاہلانہ قیاس آرائی۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص شارع کے طریقِ تشریع پر نگاہ ڈال کر دیکھتا ہے کہ وہ ہر مصلحت اور حکمت کے لیے ایک مناسب ضابطہ مقرر کرتا ہے اور ہر ایک مقصد کے حصول کے لیے ایک موزوں قالب معین کرتا ہے لیکن چونکہ یہ شخص نگاہِ نبوت کی حقیقت شناسی اور وسعت سے قدرتاً محروم ہوتا ہے اور اسرارِ تشریع کے تمام پہلوؤں کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس لیے وہ ایک آدھ مصلحت کو اچک کر اپنی فہم کے مطابق شریعت کی دفعات بتانے لگتا ہے۔ یہود کی مثال تمہارے سامنے ہے، انہوں نے خیال کیا کہ شارع نے معاصی سے روکنے کے لیے حدود کا حکم محض اس لیے دیا تھا کہ وہاں امن قائم ہو اور معاملات درست رہیں۔ پھر انہیں یہ نظر آیا کہ زانی کے لیے جو سزائے رجم شارع نے مقرر کر رکھی ہے اس سے آج کل اختلاف اور جدال و قتال ہوتا ہے جو بدترین فساد ہے۔ یہ سوچ کر انہوں نے رجم کی سزا کو مجرم کا منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کی سزا سے بدل دینا بہتر سمجھا اور ایسا کیا بھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو تحریف اور ترکِ احکامِ الٰہی قرار دیا۔

ابن سیرینؒ سے روایت ہے کہ:

"سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا۔ چاند اور سورج کی پرستش محض قیاس نے کرائی"۔

امام حسنؒ نے آیت خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ پڑھ کر فرمایا "یہاں ابلیس نے قیاس کیا اور وہ سب سے پہلا قیاس کرنے والا ہے"۔

امام شعبیؒ سے منقول ہے کہ:

"قسم خدا کی اگر تم نے قیاس سے کام لیا تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر کے رہو گے۔"

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ:

"تین چیزیں قصرِ اسلام کو ڈھا دیں گی، ایک عالم کی لغزش، دوسری منافق کا قرآن سے استدلال، تیسری گمراہ ائمہ کے احکام۔"

یہ تمام باتیں اس قیاس کے متعلق ہیں جس کا سررشتہ کتاب و سنت سے نہ ہو بلکہ محض

وہمی اور عقلی ہو۔

اتباعِ اجماع

فتنۂ تحریف کا چوتھا ذریعہ اتباعِ اجماع ہے۔ اجماع سے مراد یہ ہے کہ حاملینِ شریعت کا ایک گروہ، جس کی اصابتِ رائے پر عام لوگوں کو اعتقاد ہو، کسی چیز پر اتفاق کرلے اور لوگ یہ سمجھیں کہ مجرد اتفاق ہی حجتِ شرعی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس قسم کا اتباعِ اجماع اس وقت تحریفِ دین کے مترادف ہوجاتا ہے جب اس اجماع کی اصل کتاب و سنت میں موجود نہ ہو۔ اور یہ وہ اجماع نہیں ہے جس کے حجت ہونے پر امت کا اتفاق ہے کیونکہ امت کا اتفاق تو اسی اجماع کے اتباع پر ہے جس کی سند کتاب و سنت میں موجود ہو یا جو کتاب و سنت سے مستنبط ہو۔ رہا وہ اجماع جس کی اصل نہ قرآن میں ہو نہ حدیث میں، سو اس کو کسی نے بھی حجت نہیں مانا۔ بلکہ اس کے اتباع کی مذمت میں تو قرآن کہتا ہے کہ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ (البقرہ ۲ : ۱۷۰) "جب ان سے کہا گیا کہ ایمان لاؤ اس چیز پر جو خدا نے اتاری ہے تو انہوں نے کہہ دیا کہ ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا"۔

حضرت عیسیٰ السلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار میں یہود نے جو دلیل پیش کی تھی وہ اسی اتباعِ اجماع پر مبنی تھی۔ ان کے اسلاف نے بزعمِ خود ان انبیائے صادقین کے حالات کا تفحص کیا اور انہیں نبوت کے معیار پر نہ پایا۔ ان کا انکار ہمیشہ کے لیے ایک برہانِ قاطع بن گیا۔ نصاریٰ کے اندر بھی اسی اتباعِ اجماع نے بے شمار گمراہیاں پیدا کر رکھی تھیں۔ ان میں تورات انجیل کے خلاف اور ان کے احکام سے زائد صدہا باتیں شریعت کی حیثیت سے موجود ہیں جن کے بارے میں ان کے پاس "سلف اجماع" کے سوا اور کوئی دلیل نہیں۔

تقلید

پانچواں سرچشمہ جہاں سے تحریفِ دین کا سیلاب پھوٹتا ہے کسی غیر معصوم (غیر نبی) انسان کی کورانہ تقلید ہے، یعنی کوئی عالمِ دین کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے اور اس کے مقلدین بغیر دلیل و حجت محض حسنِ ظن کی بنا پر یہ خیال کرلیں کہ امام کا اجتہاد قطعاً" یا غالباً صحیح ہے، پھر اس خیال کے ماتحت کسی صحیح حدیث کو اس کے اجتہاد سے رد کردیں۔ یہ تقلید وہ تقلید نہیں ہے جس کے جواز پر امتِ مرحومہ کا اتفاق ہے۔ امت نے مجتہدین کی تقلید کے جواز پر جو اتفاق کیا ہے وہ چند قیود کے

ساتھ ہے۔اولاً آدمی کو یہ علم و اعتقاد رکھنا چاہیے کہ مجتہد معصوم نہیں ہے۔ اس کا اجتہاد صحیح بھی ہوتا ہے اور غلط بھی۔ ثانیاً اسے ہمہ وقت ارشادِ نبویؐ کی تلاش میں اس عزم کے ساتھ لگا رہنا چاہیے کہ جب کبھی کوئی صحیح حدیث، اجتہادِ امام کے ساتھ مل جائے تو وہ امام کی تقلید اس مسئلہ میں ترک کردے گا۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ ۹ : ۳۱) کے متعلق فرمایا کہ یہود اپنے علماء و مشائخ کی پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ کرتے یہ تھے کہ جس چیز کو یہ لوگ حلال کہہ دیتے اسے وہ بغیر کسی حجتِ شرعی کے حلال سمجھ لیتے تھے اور جسے یہ حرام کہہ دیتے اسے حرام سمجھ لیتے تھے۔

خلطِ مذاہب

دین کے اندر فتنۂ تحریف کے گھسنے کا چھٹا راستہ مختلف مذاہب اور شرائع کا باہم اس طرح خلط ملط کردینا ہے کہ ایک دوسرے سے ممیّز نہ ہوسکے۔اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک آدمی پہلے کسی اور مذہب کا پیرو رہتا ہے اور اس کے دل و دماغ پر اپنی سابق مذہبی سوسائٹی کے علوم و نظریات پوری طرح حاوی ہوتے ہیں۔پھر وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے، لیکن قلب میں ان پرانے نقوش کا اثر باقی رہتا ہے، انجامِ کار یہاں بھی ان علوم و نظریات کی توقیر و قبولیت چاہتا ہے۔ خواہ وہ بجائے خود کیسے ہی بے جان اور بے اصل ہوں، حتیٰ کہ بسا اوقات وہ اس کے لیے روایتیں گھڑنے پر اتر آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل برابر راہِ اعتدال پر قائم رہے یہاں تک کہ ان میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو خالص اسرائیلی نہ تھے (باپ اسرائیلی تھا) اور ماں دوسری قوم سے، یعنی لونڈی زادے تھے۔ان لوگوں نے دین میں رائے کو دخل دیا، نتیجہ یہ ہوا، خود گمراہ ہوئے اوروں کو بھی گمراہ کردیا۔ چنانچہ خود ہمارے دین میں بھی آج بے شمار علوم اسی نوع کے داخل ہوچکے ہیں مثلاً اسرائیلی علوم، خطباءِ جاہلیت کے اقوال، یونان کا فلسفہ، ایران کی تاریخ، علمِ نجوم، رمل اور علمِ کلام وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جب تورات پڑھی گئی تو آپؐ بہت خفا ہوئے، اس خفگی میں یہی راز تھا۔ نیز کتابِ دانیالؑ کے طالب کو حضرت عمرؓ نے اسی وجہ سے سزا دی تھی۔

(ماخوذ از حجۃ اللہ البالغہ۔ مطبوعہ ترجمان القرآن ذ۔عقدہ ۱۳۵۷، جنوری ۱۹۳۹۔ جلد ۱۳، عدد ۵)

قرآن کی بعض صفات

نعیم الدین اصلاحی

(تیسری و آخری قسط)

المصدّق

یہ بھی قرآن کی ایک اہم صفت ہے اور یہ ان جگہوں پر آتی ہے جہاں گفتگو یہود و نصاریٰ سے ہوتی ہے۔ اس کے دو معنی آتے ہیں۔

نمبر۱' کسی کی رائے اور گمان کے موافق ہونا۔

نمبر۲' کسی کو سچا قرار دینا۔

پہلے معنی کے لحاظ سے قرآن مجید کے "مصدّق" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد بنی اسرائیل میں جتنے پیغمبر آئے ان سب نے اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے پیروؤں کو بتایا کہ حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں سے ایک پیغمبر آنے والا ہے جو آخری پیغمبر ہوگا اس کی کتاب مکمل اور نہایت ترقی یافتہ کتاب ہوگی۔ اگر تم اس کا زمانہ پانا تو تم ضرور اس کی اتباع کرنا اور اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر دین قائم کرنے میں اس کی مدد کرنا۔ چنانچہ بنی اسرائیل عرصہ دراز سے اس پیغمبر کا بڑی شدت اور اضطراب کے ساتھ انتظار کر رہے تھے۔ لیکن جب وہ پیغمبر تشریف لائے تو بہت سے اسباب کی وجہ سے وہ اس کے دشمن ہو گئے اور اپنے خبثِ باطن اور کمینہ پن میں اپنی انتہا کو پہنچ گئے۔ قرآن مجید نے انہیں یاد دلایا کہ یہ تو وہی پیغمبر ہے جس کی اطاعت کا تم نے اپنے نبیوں سے عہد کیا تھا اور جس کا تم صدیوں سے انتظار کر رہے تھے اور یہ ٹھیک ان پیش گوئیوں کے مطابق ہے جو توریت اور انجیل میں پائی جاتی ہیں۔ تو پھر تم کیوں انکار کرتے ہو؟ کیوں نہیں اس آسمانی بادشاہت میں شامل ہوتے اور مکمل کتاب اور ترقی یافتہ شریعت کو بڑھ کر کیوں نہیں تھام لیتے؟ آخر تم کیوں نہیں سمجھتے کہ اس کتاب کا تم پر عظیم

احسان ہے کہ تمھاری اپنی کتابوں کی پیش گوئیاں سچ ثابت ہو رہی ہیں' اگر یہ آخری کتاب نہ آتی تو تمھاری کتابوں کی پیش گوئیاں جھوٹی ہوتیں۔

رہا مصدّق کا دوسرا معنی تو خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ قرآن اگر تصدیق کرتا ہے تو توریت' زبور' انجیل اور صحیفۂ ابراہیمی کی تصدیق کرتا ہے' وہ تصدیق کرتا ہے تو اس کتاب کی کرتا ہے جس کا خدائی کتاب ہونا خود اس کتاب نے بیان کیا ہو' وہ اس کتاب کی قطعاً" تصدیق نہیں کرتا جسے لوگ اپنی مقدس اور مذہبی کتاب قرار دیتے ہیں۔ کسی کتاب کا یقینی طور پر خدائی کتاب اور مقدس کتاب ہونا موقوف ہے اس بات پر کہ قرآن نے اس کا نام لیا ہو۔ ورنہ آپ صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ وہ تمام کتابیں برحق ہیں جو خدا نے اتاریں۔ لیکن اگر کوئی شخص لوگوں سے وسیع النظری' روشن خیالی اور رواداری کی سند پانے کے لیے اور ان کی نگاہوں میں محبوب بننے کے لیے یہ کہے ؎

تم رام کہو وہ رحیم کہیں دونوں کی غرض اللہ سے ہے
تم دین کہو وہ دھرم کہیں منشا تو اسی کی راہ سے ہے
تم پریم کہو وہ عشق کہیں مطلب تو اسی کی چاہ سے ہے
وہ جوگی ہیں تم سالک ہو مقصود دل آگاہ سے ہے
کیوں لڑتا ہے مورکھ بندے تیری خام خیالی ہے
ہے پیڑ کی جڑ تو ایک وہی یہ مذہب ایک اک ڈالی ہے
تکبیر کا جو کچھ مطلب ہے ناقوس کا بھی منشا ہے وہی
تم جن کو نمازیں کہتے ہو ہندو کے لیے پوجا ہے وہی

(بحوالہ دین کا قرآنی تصور ص ۵۹-۱۵۸)

تو اس سے بڑھ کر ظالم اور خدا کی کتاب میں تحریف کرنے والا اور کون ہوگا؟ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسولؐ کو عربوں میں بھیجا اور اپنی آخری کتاب اتاری تو اس کتاب نے عربوں کے سامنے توحید کا عقیدہ نکھار کر پیش کیا کہ جس کو تم اپنا اور زمین و آسمان کا خالق جانتے ہو صرف اسی کے سامنے سجدہ کرو' صرف اسی کے بنائے ہوئے قانون پر چلو اور یہ قانون اسی پیغمبر کے ذریعے ملتا ہے لہٰذا اس پر ایمان لاؤ۔ دنیا میں صرف اسی کو اپنا لیڈر اور رہبر بناؤ اسی پر دنیا و آخرت دونوں میں سرخروئی موقوف ہے۔ یہ صاف ستھری توحید عربوں کے سامنے آئی تو ان کے لیڈروں نے اس میں اپنے لیے خطرہ محسوس کیا اور چاہا کہ کسی طرح سے آپؐ کو سمجھا بجھا کر اس

کام سے روک دیں، لیکن جب وہ اس طرف سے بالکل ناامید ہوئے تب انہوں نے وسیع النظری، فراخدلی، مداہنت اور روا داری کا تیر چلایا جو عام طور پر ٹھیک اپنے نشانے پر بیٹھتا ہے۔ انہوں نے کہا آؤ اصولوں میں مصالحت کرلیں کچھ تم اپنے اصولوں میں کتربیونت کرلو کچھ ہم کلٹ چھانٹ کرلیتے ہیں۔ تم ہمارے مذہب کے معاملات میں روا داری برتو اور ہم تمہارے لیے روا دار بن جاتے ہیں اور اس کی شکل یہ ہے کہ تم اس قرآن کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اس میں اس حد تک ترمیم کردو کہ وہ ہمارے قومی نفسیات سے میل کھا سکے۔ ایسے ہی حالات تھے جب سورہ یونس نازل ہوئی اِس میں اللہ تعالیٰ نے اس روا داری کا ذکر کیا اور حضورؐ کے واسطے سے ہمیشہ کے لیے اہلِ ایمان کو ہدایت دی:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (یونس ۱۰: ۱۵)

اور جب ان کو ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو یہ لوگ جو جزا و حساب کے قائل نہیں ہیں، کہتے ہیں کہ کوئی قرآن اس کے سوا لاؤ یااس میں تبدیلی کردو۔ تم کہہ دو میرا کام نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں تبدیلی کروں۔ میں بے کم و کاست اس چیز کی پیروی کروں گا جو میری طرف وحی کی جائے گی۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں (یعنی وحی میں تبدیلی کروں اور غیروحی کی پیروی کروں) تو ایک سخت اور شدید دن کے عذاب کا مجھے ڈر ہے۔

اس طرح کی ہدایات اکثر مکی سورتوں میں دی گئی ہیں۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ خالقِ کائنات کے بھیجے ہوئے دین میں، توحید میں، رسالت میں، آخرت میں، اور دوسرے اصولوں میں کتربیونت کا خیال بھی نہ آنے پائے اور دوسرے عقائد میں کاٹ چھانٹ نہیں ہوسکتی لہٰذا تم پورے جوشِ عمل کے ساتھ توحید کا پیغام پوری دنیا کو سناؤ اور اس سلسلے میں ذرہ برابر بھی مداھنت کا خیال نہ آنے پائے یعنی یہ بھی حق ہے اور وہ بھی حق ہے اور یہ بھی ٹھیک ہے اور وہ بھی اچھا ہے۔ یہ مذہب بھی نجات کا ذریعہ ہے اور وہ مذہب بھی خدا تک پہنچانے والا ہے۔

اوپر جیسا کہ ہم نے عرض کیا اس طرح کی ہدایات اکثر مکی سورتوں میں دی گئی ہیں سورہ ہود میں، سورہ بنی اسرائیل میں، سورہ قصص میں، اور سورہ دہر میں، اور اسی طرح مدنی سورتوں میں، سورہ احزاب وغیرہ میں اور مائدہ میں بھی جو آخر میں نازل ہونے والی سورہ ہے۔ اس میں پہلے اللہ

تعالیٰ نے توراۃ و انجیل کا ذکر کیا پھر قرآن مجید کی حیثیت بتائی اور آخر میں یہ ہدایت دی:

وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ‌ؕ (المائدہ ۵: ۴۹)

خدا کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق اب ان کے درمیان فیصلہ کیجیے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے اور بچتے رہیے کہ یہ لوگ آپ کو فتنے میں ڈال کر ذرہ برابر اس ہدایت سے منحرف نہ کرنے پائیں جو خدا نے آپ کی طرف نازل کی ہے۔

اس سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اگر میں یہ کہوں یا لکھوں کہ اسلام تمام مذہبی کتابوں اور بزرگوں کی تصدیق کرتا ہے تو مجھ سے بڑھ کر جھوٹا' ظالم اور خدا کی کتاب میں تحریف کرنے والا شاید ہی کوئی ہو۔

الفرقان

قرآن پاک نے اپنی ایک صفت یہ بھی بتائی ہے:

تَبَارَكَ الَّذِىۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰى عَبۡدِهٖ لِيَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِيۡنَ نَذِيۡرَا (سورہ فرقان ۲۵: ۱)

اسی طرح کئی جگہوں پر قرآن کو فرقان کہا گیا ہے۔ یہ لفظ (فرق) سے نکلا ہے۔ جس کے معنی پھاڑنے' چیرنے اور دو چیزوں کو الگ الگ کردینے کے ہیں۔ القاموس المحیط میں ہے:

فرق' فرقاً' وفرقاناً: فصل

مختار الصحاح میں ہے:

وکل ما فرق بہ بین الحق والباطل فھو الفرقان۔

قرآن پاک کو فرقان کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا میں کسوٹی کا کام کرتا ہے۔ کھوٹے اور کھرے میں تمیز کرتا ہے۔ وفاداروں اور غداروں کو چھانٹ کر علیحدہ کرتا ہے۔ بدر کی لڑائی کو یومِ فرقان کہا گیا ہے' کیونکہ اس دن حق و باطل کا دو ٹوک فیصلہ ہوا۔ اس دن خدا نے یہ بات دکھا دی کہ مکھن کون ہے اور چھاچھ کون ہے۔ مختصر یہ ہے کہ یہ کتاب دنیا میں خدا کی عدالت بن کر آئی ہے۔ اور یہ وہی بات ہے جو حضرت مسیحؑ کی زبان سے اس طرح ادا ہوئی ہے کہ میں بھائی کو بھائی سے دور' ماں کو بیٹی سے جدا کرنے آیا ہوں۔ خدا نے کبھی کوئی کتاب آم' گھاس جمع کرنے کے لیے نہیں بھیجی ہے۔ اس نے جب بھی کوئی کتاب بھیجی تو بھوسے کو دانے سے الگ کرنے کے لیے بھیجی ہے۔ یہ جو ہم آج بھانت بھانت کے لوگوں کو دیکھ رہے ہیں تو یہ اسی وقت تک ہے جب تک قرآن کی دعوت بلند نہیں ہوتی۔ اگر کسی دن لوگ قرآن کی اذان دینے کھڑے

ہوئے تو آپ دیکھ لیں گے کہ قرآن قوموں کے درمیان اور خود ان کے درمیان کس طرح فرقان بن کر نمودار ہوتا ہے۔ بگاڑ پر' آخر تک لڑنے والوں کو چھانٹ کر رہے گا۔ قرآن سے یہ بعید تر ہے کہ وہ کہے کہ گندگی اور پاکیزگی میں کوئی فرق نہیں۔ حق اور باطل دونوں یکساں ہیں اور دونوں ہی نجات کا ذریعہ ہیں۔ آخر کیسے ممکن ہے کہ قرآن انگور اور انار اور دنیا بھر کی گھاس پھوس کو یکساں میٹھا جانے ؟

المھیمن

یہ صفت چھٹے پارے میں سورہ مائدہ کے اندر آئی ہے :

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْکِتَابِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ (۵ : ۴۸)

اور ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے کتاب حق کے ساتھ' مصدق اس پیشتر سے جو موجود کتاب کی اور اس کے لیے کسوٹی بنا کر۔

اس آیتِ کریمہ سے پہلے یہ بات فرمائی گئی کہ ہم نے پہلے توراۃ بھیجی لیکن اس کے پیروؤں نے اس کو کھو دیا۔ اس کی روشنی گُل کردی۔ پھر ہم نے انجیل اتاری تو اس کے ماننے والوں نے اس کے وعظ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ دونوں نے کتاب میں ردوبدل کی ۔اب ہم نے یہ کتاب اتاری جس نے توراۃ اور انجیل کی تمام ہدایتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا۔ اب کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کتاب کے سوا کسی دوسری کتاب کو دستور العمل بنائے۔ کیونکہ اور کوئی کتاب اس کے سوا انسانی ردوبدل سے محفوظ نہیں۔ اور اس کتاب کا نمایاں وصف یہ ہے کہ اس نے تمام کتابوں کی بہترین تعلیمات کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے اپنے سرلی ہے اور فرمایا :

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (القیامہ ۷۵ : ۱۷)

اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ (حم سجدہ ۴۱ : ۴۲)

باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے' نہ پیچھے سے۔ یہ حکیم و حمید کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

غور کیجیے کہ آخر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت و صیانت کا انتظام کیوں کیا ہے ؟ کیا صرف تلاوت کے لیے' کیا صرف چومنے چاٹنے کے لیے اور آنکھوں اور سینوں سے لگانے کے

لیے۔ کیا جاں کنی کے وقت سورہ یاسین پڑھنے کے لیے اور مرجانے کے بعد چند حفاظ کو بلا کر قرآن خوانی کراکے روح کو بخشوانے کے لیے ؟ ہرگز نہیں ! قرآن مجید کی حفاظت اس مقصد کے لیے نہیں ہوئی ہے۔ قرآن مجید کی حفاظت اس لیے ہوئی ہے کہ اب اس کے بعد کوئی کتاب آنے والی نہیں ہے۔ اور یہ کتاب تمام انسانوں کے لیے زندگی کا ایک ضابطہ ہے۔ یہ اس لیے آئی ہے کہ سماج کو انصاف ملے۔ معاشرہ صاف ستھرا ہو' لوگوں کے درمیان عدل' حق پرستی' اور انصاف کی فضا قائم ہو۔ تمام معاملات ' کاروبار اور لین دین اس کی پاکیزہ تعلیمات کی روشنی میں انجام پائیں۔

بھلا بتایئے کہ جو شخص صاف و شفاف اور محفوظ چشمے کو چھوڑ کر گندے حوض سے اپنی پیاس بجھاتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی نادان ہو سکتا ہے ؟

المبارک

قرآن مجید کی یہ نہایت ہی اہم صفت ہے۔ اور تین سورتوں میں آئی ہے۔
سورہ "انعام" میں دو جگہ' سورہ "انبیاء" اور سورہ "ص" میں ایک ایک جگہ آئی ہے۔
سورہ انعام میں فرمایا :

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ (الانعام ۶ : ۹۲)

یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے۔ بڑی خیروبرکت والی کتاب ہے اور اس چیز کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے تھی۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (انعام ۶ : ۱۵۵)

اور یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے ایک برکت والی کتاب' پس تم اس کی پیروی اور تقویٰ کی روش اختیار کرو۔ بعید نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (انبیاء ۲۱ : ۵۰)

اور یہ بابرکت ذکر ہم نے نازل کیا ہے پھر کیا تم اس کو قبول کرنے سے انکار کردو گے؟

سورہ ص میں مذکور ہے :

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ (۳۸ : ۲۹)

یہ ایک نہایت بابرکت کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں۔

ان مقامات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ "قرآن مجید" اپنے سوا کسی دوسری کتاب کے

لیے یہ صفت استعمال نہیں کرتا۔

مبارک کے معنی بابرکت اور برکت کے معنی زیادتی و کثرت' نشوونما اور سعادت و خوش بختی کے آتے ہیں:

البرکۃ: النماء والزیادۃ (مختار الصحاح' لسان العرب)

البرکۃ: النماء' الزیادۃ' السعادۃ (القاموس المحیط)

اور یہ زیادتی خیر اور بھلائی کی زیادتی ہے۔ برائی کی زیادتی کو "برکت" نہیں کہتے ہیں۔ یہ دوام اور ہیشگی کے معنی میں بھی آتا ہے۔

وبارک علی محمد وعلی ال محمد : ادم لہ ما اعطیتہ من التشریف والکرامہ

(القاموس المحیط' لسان العرب)

اصلاً یہ لفظ اس اونٹ کے لیے آتا ہے جو زمین میں اس طرح بیٹھ جائے کہ اٹھنے کا نام نہ لے۔

وھو من برک البعیر اذا اناخ فی موضع فلزمہ (لسان العرب)

پس اس مختصر سی تشریح سے یہ معلوم ہوا کہ "مبارک" وہ چیز کہلائے گی جس کے اندر بھلائی ہی بھلائی ہو۔ جس سے بہتری کے چشمے ابلتے ہوں اور ہمیشہ ابلتے ہوں۔ کبھی ان کا سلسلہ نہ ٹوٹتا ہو اور پھر بہتری بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ظاہری بہتری جس سے فائدہ جسم کو پہنچتا ہے اور اندرونی بہتری جس سے آدمی کی روح غذا پاتی ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں "ایک رات" کو مبارک رات کہا گیا ہے۔ کیونکہ اسی رات میں انسانوں کو بھلائی کا خزانہ "قرآن پاک" بخشا گیا ہے۔

فرمایا:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ (دخان ۴۴ : ۳)

بلاشبہ ہم نے اس قرآن کو ایک مبارک رات میں اتارا ہے۔

ایک میدان کو مبارک میدان کہا گیا کیونکہ اسی میدان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیروبرکت کی کتاب تورات دی گئی۔ اور ایک گھر "کعبہ" کو مبارک گھر کہا گیا۔ کیونکہ توحید کا مرکز ہے اور توحید سے بڑھ کر کوئی بھلائی نہیں ہوسکتی۔ ایک سرزمین کو مبارک سرزمین کہا گیا کیونکہ وہ نہایت سرسبز و شاداب اور ہری بھری زمین ہے۔ اس کے تمام تر پھلوں کے باغ' اس کی ندیوں کا پانی' شیریں اور صحت بخش ہے اور بارش کے پانی کو مبارک پانی کہا گیا ہے کیونکہ اس سے ہر چیز کو زندگی ملتی ہے اور آخری آسمانی کتاب کو مبارک کتاب کہا گیا کیونکہ اس سے بہتری اور بھلائی کے

چشمے ابلتے ہیں۔ یہ پہلی کتابوں سے زیادہ مکمل' ترقی یافتہ شریعت (قانون) پیش کرتی ہے۔ یہ نہایت سرسبز و شاداب ہے' زندگی بخشنے والی آسودہ و خوشحال بنانے والی ہے۔

الروح

خدا نے اپنی کتاب کو روح کہا ہے۔ روح کیا چیز ہے؟ اس کو انسانی عقل نہیں سمجھ سکتی۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ یہ خدا کی طرف سے آتی ہے اور زندگی بن کر آتی ہے۔ جب کسی درخت پر آتی ہے تو وہ درخت بولنے لگتا ہے' جب کسی جسم میں داخل ہوتی ہے تو وہ زندہ انسان بن جاتا ہے اور جب پیغمبر کے واسطے سے کتاب کی شکل میں آتی ہے تو اس سے مردہ قومیں زندگی پاتی ہیں اور ہائے خرابی اس قوم کی جس کے پاس روح موجود ہو اور پھر بھی مردہ ہو' زندگی کا کہیں نام و نشان نہ ہو۔

قرآن ---- صاحبِ قرآن کی نظر میں

ترمذی کی ایک حدیث ہے:

عن الحارث الاعور قال: مررت فی المسجد فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث فدخلت علی علی فقلت یا امیر المومنین! الا تری الناس قد خاضوا فی الاحادیث قال او قد فعلوها قلت نعم قال: اما انی سمعت رسول اللہؐ یقول الا انها ستکون فتنة فقلت ما المخرج منها یا رسول اللہؐ قال: کتاب اللہ فیه نبا ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم وهو الفصل لیس بالهزل من ترکه من جبار قصمه اللہ ومن ابتغی الهدی فی غیره اضله اللہ وحبل اللہ المتین وهو الذکر الحکیم وهو الصراط المستقیم وهو الذی لا یزیغ به الاهواء ولا تلتبس به الالسنة ولا تشبع منه العلماء ولا یخلق عن کثرة الرد ولا تنقضی عجائبه وهو الذی لم تنته الجن اذ سمعته حتی قالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یهدی الی الرشد فآمنا به' من قال به صدق' ومن عمل به اجر و من حکم به عدل ومن دعا الیه هدی الی صراط مستقیم خذها الیک یا اعور (رواہ الترمذی' الجلد الثانی' ابواب فضائل القرآن ص ۱۱۴ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ)

حضرت حارث اعور فرماتے ہیں: میں مسجد میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ اِدھر اُدھر کی لایعنی باتوں میں مشغول ہیں۔ میں حضرت علیؓ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: کیا یہ باتیں ہونے لگیں؟ میں نے کہا "جی ہاں" حضرت علیؓ نے فرمایا: یاد رکھو میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: خبردار! عنقریب ایک بڑا فتنہ سر اٹھائے گا۔ میں نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسولؐ اس سے بچنے کی کیا شکل ہوگی ؟ فرمایا : اللہ کی کتاب ' اس میں تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی مفصل داستان اور سچے واقعات ہیں اور تم سے بعد آنے والی باتوں کی خبریں ہیں اور تمہارے اپنے معاملات کا فیصلہ ہے اور یہ ایک دو ٹوک بات ہے۔ ہنسی دل لگی کی بات نہیں ہے جو سرکش بھی اس کو حقارت سے ٹھکرائے گا اللہ تعالیٰ اس کے سرِ غرور کو پاش پاش کردے گا اور جو کوئی اسے چھوڑ کر کسی اور بات کو اپنی ہدایت کا ذریعہ بنائے گا اسے گمراہ کردے گا۔ یہ خدا کی مضبوط رسی ہے۔ یہی پُر حکمت یاد دہانی ہے' یہی بالکل سیدھی راہ ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے خواہشات بے لگام نہیں ہوتی ہیں۔ یہ ایک محفوظ کتاب ہے اس میں اوروں کی باتیں شامل نہیں ہیں۔ علماء کا دل اس سے کبھی نہیں بھرتا اور بہ کثرت پڑھنے سے پرانی نہیں ہوتی' اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے۔ یہ وہی ہے جسے سنتے ہی جن پکار اٹھے تھے' بلاشبہ ہم نے عجیب و غریب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ لہٰذا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ جس نے اس کی سند پر کہا' سچ کہا۔ جس نے اس پر عمل کیا اجر پائے گا۔ جس نے اس کی بنیاد پر فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا' جس نے اس کی طرف لوگوں کو بلایا اسے صراطِ مستقیم کی توفیق بخشی گئی۔ اعور ان باتوں کو اچھی طرح گرہ باندھ لو۔

آخری بات

مختصر یہ کہ یہ کتاب جو ہمیں اللہ رب العزت کی طرف سے ملی ہے' نعمت بھی ہے' رحمت بھی ' نور بھی ہے' ہدایت بھی ہے 'حیات بھی ہے اور بصیرت بھی' عدل و قسط اور حق و انصاف کی میزان بھی ہے اور خیر وبرکات کا سرچشمہ بھی۔ صراط مستقیم کی رہنما بھی ہے اور نجات اخروی کا ذریعہ بھی۔ پھر کیوں نہ ہم اس سے تعلق جوڑیں' کیوں نہ اس کے دامن کو مضبوط ہاتھوں سے پکڑیں۔ کیوں نہ اسے اپنے سینوں میں جگہ دیں' کیوں نہ اسے دل و دماغ کی گہرائیوں میں اتاریں' کیوں نہ اسے اپنی زندگیوں میں سمو لیں اور کیوں نہ اس کے نور سے اپنی زندگی کو پرنور کرلیں ـــــ اگر ایسا کریں گے تو بے پایاں سعادتوں اور لازوال کامرانیوں سے اپنی آغوش کو مالا مال کرلیں گے۔ لیکن اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو پھر ہم سے بڑھ کر بدبخت و ناکام بھی کوئی نہ ہوگا۔ اللہ کی عظیم ترین نعمت و رحمت کو پاکر ٹھکرانے والا بے بصیرت' بے روح' بے جان اور گم کردہ راہ ہے۔

خسر الدنیا والآخرۃ ذلک ھو الخسران المبین

المراجع

(۱) افاداتِ جلیل (مولانا جلیل احسن ندوی مرحوم کے خیالات سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے)

بقیہ بر صفحہ ۴۲

احکامِ تولیتِ وقف

ڈاکٹر سعید اللہ قاضی

احکامِ تولیتِ وقف

متولی عربی لغت میں باب تفعل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے' اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس کو وقف اور اس کے مصالح کی شرعی ذمہ داریاں سونپی گئی ہوں۔ اس کا مادہ ولی ہے۔ ولی کا معنی قریب اور دوست کا ہے۔ اصطلاح میں اس کا معنی انچارج اور منتظم کا ہے۔ اس کا معنی حافظ بھی ہے' عارف باللہ بھی ہے اور عاقل اور بالغ وارث بھی ہے۔ (۱)

ولی کا مصدر ولایہ ہے جس کا معنی مدد اور محبت ہے۔ شرع میں ولایت کا معنی دوسرے پر حکم کا نفاذ ہے۔ گویا کہ ولایت کسی شخص یا مال پر شرعی تسلط کو کہتے ہیں۔ جن میں وہ شریعت کے مطابق تصرف کر سکتا ہے۔ اس سے ایک اور لفظ تولیت بھی مشتق ہے۔ جس کا معنی ایک انتظامی عہدے پر کسی شخص کا تقرر ہے۔ تولیت کا معنی متصرف' ولی اور ذمہ دار بنانا بھی ہے (۲) ۔یہی وجہ ہے کہ وقف اور اس کے مصالح کی حفاظت اور رکھوالی کے لیے وقف کنندہ (واقف) کی طرف سے کسی متولی کا تقرر شرعاً" لابدی ہے۔ نبی کریمؐ اور حضرت عمرؓ سے اس قسم کا تقرر ثابت ہے۔ ایسے شخص کو شرع کی اصطلاح میں متولی (نگران) ناظر اور قیم کہتے ہیں۔ (۳)

اس ولایت کی تفصیل پانچ عنوانات کے تحت کی جا سکتی ہے۔

۱۔ متولی کی اقسام اور شروط

۲۔ متولی کا تقرر

۳۔ متولی کے اختیارات

۴۔ متولی کے حقوق

۵۔ متولی کی معزولی

متولی کی اقسامِ ولایت دو قسم کی ہیں ۔ اصلی ولایت جو واقف' موقوف علیہ اور قاضی کو حاصل ہے۔

واقف کا حقِ ولایت

واقف کو متولی کے تقرر کا حق اس لیے حاصل ہے کہ وہ وقف شدہ مال کا مالک ہے۔ موقوف علیہ کو متولی مقرر کرنے کا حق اس لیے حاصل ہے کہ وقف شدہ املاک یا تو اس کی ملکیت میں منتقل ہوئی ہیں یا یہ کہ وہ ان کی پیداوار کا مالک ہے۔

جہاں تک قاضی کا تعلق ہے اس کو اس سلسلے میں ولایتِ عامہ حاصل ہے۔ حاکم ہر اس شخص کا ولی ہوتا ہے جس کا کوئی اور ولی نہ ہو۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک واقف کو متولی کے تقرر کا حق مطلقاً" حاصل ہے۔ اس نے وقف نامے میں اس کا ذکر کیا ہو یا نہ' اس کے نزدیک واقف کو اپنی زندگی میں متولی کے ہٹانے کا حق بھی حاصل ہے۔ واقف کے فوت ہو جانے کے ساتھ متولی کی تولیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ (۴)

امام محمدؒ کے نزدیک واقف کو متولی کے تقرر کا حق اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ وقف نامے میں باقاعدہ طور پر اس کا ذکر کرے۔ اگر وقف نامے میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس کو وقف میں حقِ ولایت حاصل نہیں ہو سکتا۔

امام محمدؒ سے ایک دوسرا قول بھی منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر واقف نے وقف نامے میں وقف سے متعلق اپنی تولیت کی شرط عائد کر دی ہو تو اس کا وقف اور وہ شرط دونوں باطل ہیں۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک واقف کے لیے حقِ ولایت وقف نامے میں اس کا ذکر کیے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔ انہوں نے واقف کے لیے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ وقف نامے میں اس کا ذکر وضاحت کے ساتھ کرے کہ حقِ تولیت اس کو یا اس کے متولی کو حاصل ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ شوافع اور حنابلہ واقف کو اپنی جائیداد وقف کرتے وقت وقف نامے میں اپنے حقِ تولیت کی شرط لگانے کا حق دے دیتے ہیں۔ اور اگر اس نے اس قسم کی کوئی شرط نہ لگائی ہو تو راجح قول یہ ہے کہ اس حالت میں حقِ تولیت حاکم کو پہنچتا ہے۔ (۵)

مذکورہ بالا اقوال میں ارجح قول یہ ہے کہ واقف کو اپنی وقف کردہ جائداد میں حقِ ولایت حاصل ہے' وقف نامے میں اس نے اس کا ذکر کیا ہو یا نہ۔ وجہ یہ ہے کہ اگر وہ دوسرے کو متولی مقرر کر سکتا ہے تو خود متولی کیوں نہیں بن سکتا۔(۶)

موقوف علیہ کا حقِ ولایت

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب تک واقف زندہ ہے' موقوف علیہ کو حقِ تولیت حاصل نہیں ہوتا۔ اس بات پر بھی تمام علماء متفق ہیں کہ اگر موقوف علیہم معین نہ ہوں یا ان کی تعداد بے شمار ہو یا موقوف علیہم مسجد' ہسپتال یا مدرسہ ہوں تو ایسی حالت میں ان کو وقف پر حقِ ولایت حاصل نہیں ہو سکتا خواہ ایسا واقف کی زندگی میں واقع ہو' یا اس کی موت کے بعد۔

اور اگر موقوف علیہم معین اور گنتی کے ہوں اور ولایت کے اہل ہوں اور واقف بقیدِ حیات نہ ہو اور اس نے حقِ ولایت نہ اپنے لیے اور نہ دوسرے کے لیے مقرر کیا ہو اور اس کا وصی بھی نہ ہو تو ـــــ احناف اور شوافع کی رائے کے مطابق موقوف علیہ کو کسی حالت میں بھی حقِ ولایت حاصل نہیں ہے' اس لیے کہ وہ موقوف سے محاصل کے جلدی حصول کے لیے وقف املاک کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وقف اللہ کی ملکیت بن جاتا ہے' اس لیے اس کو اس میں تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے' حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر موقوف علیہ کوئی معیّن شخص ہو اور ولایت کا اہل ہو تو اس کو اس وقت حقِ ولایت حاصل ہوتا ہے جب واقف نے وقف نامے میں حقِ ولایت کسی اور کو نہ دیا ہو یا فوت ہونے کی صورت میں کسی اور کے لیے اس کی وصیت نہ کی ہو۔ (۷)

مذکورہ بالا سارے اقوال میں قابلِ ترجیح قول یہ ہے کہ موقوف علیہ کو وقف املاک میں حقِ ولایت حاصل ہے بشرطیکہ وہ معیّن ہوں' گنتی کے ہوں اور اپنے امور کے مالک ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ وقف کی پیداوار کی حفاظت بطریقِ احسن کر سکتے ہیں اور جب ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اب ان کو اس پر حقِ تصرف بھی حاصل ہوگیا ہے تو وہ اس کو اپنی ذاتی ملکیت کی طرح سمجھیں گے اور اس کی اور اس کی پیداوار کی ترقی میں بھرپور کردار ادا کریں گے۔

اس میں البتہ یہ خطرہ ہے کہ وہ اوقاف سے جلدی اور زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے لیے ان کی قیمتیں چڑھائیں گے اور ان کے بعد جو لوگ آئیں گے ان کے لیے ان سے استفادہ کرنے میں خاصی کمی واقع ہو گئی ہوگی۔

مگر اس خطرے کا سدِّ باب کرنے کے لیے محکمہ اوقاف اپنے اختیارات استعمال کر سکتا ہے اور وقف کی املاک کو موقوف علیہم کے غلط استعمال سے بچا سکتا ہے یا یہ کہ محکمہ اوقاف ولایتِ عامہ کا حق رکھتے ہوئے وقف جائیداد کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے۔ اگر وہ موقوف علیہم کی طرف سے کسی قسم کا غلط تصرف محسوس کرتا ہو تو اس میں مداخلت کر سکتا ہے۔

قاضی کا حقِ ولایت

اگر واقف فوت ہو جائے اور اس کی طرف سے وقف املاک کی نگرانی کے لیے کوئی مستحق متولی (نگران) نہ ہو' نہ وقف نامے میں اور نہ وصی کی شکل میں تو اس کا متولی وہ شخص ہو گا جس کو قاضی مقرر کرے گا۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس کو ولایتِ عامہ کہتے ہیں۔

جمہور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب واقف فوت ہو جائے اور اس نے کسی کو متولی مقرر نہ کیا ہو اور نہ کسی کو وصی بنایا ہو اور موقوف علیہم غیر معیّن ہوں یا بے شمار ہوں یا موقوف علیہم مساجد' مدارس اور ہسپتال ہوں تو پھر قاضی کو وقف پر حقِ ولایت حاصل ہو جاتا ہے۔

وقف پر قاضی کے حقِ ولایت کے بارے میں دو حالتوں میں اختلاف ہے۔

۱۔ واقف زندہ ہو اور اس نے حقِ ولایت نہ اپنے لیے اور نہ کسی دوسرے کے لیے شرط کیا ہو یا واقف فوت ہوا ہو اور وصی کا تعیّن نہ کیا ہو اور موقوف علیہم معیّن اور گنتی کے ہوں اور ولایت کے اہل ہوں تو اس حالت میں قاضی کو حقِ ولایت نہیں پہنچتا۔

۲۔ واقف زندہ ہو اور وقف نامے میں کسی متولی کے تقرر کا ذکر نہ ہو اور موقوف علیہم غیر معیّن ہوں یا معیّن ہوں مگر بے شمار ہوں یا بچے ہوں یا مجنون ہوں یا غیر امین ہوں۔ ایسی حالت میں وقف املاک میں قاضی کو حقِ ولایت حاصل ہے۔ (۸)

گویا کہ قانون نے قاضی یا محکمہ اوقاف کو اس سلسلے میں بالکل آزاد نہیں چھوڑا کہ وہ جس طرح چاہے اور جس کو چاہے حقِ ولایت سونپ دیں بلکہ وہ واقف کی شروط کا ہر ممکنہ حد تک لحاظ رکھیں۔

ولایتِ فرعی

ولایت کی دوسری قسم ولایتِ فرعی ہے۔ اس میں ناظر خواہ واقف ہو یا متولی یا موقوف علیہ یا قاضی' وقف املاک کی نگرانی کے لیے کسی دوسرے شخص کو اپنا نائب مقرر کرتا ہے یا اس کو حقِ ولایت تفویض کرتا ہے یا یہ اقرار کرتا ہے کہ اس تولیت میں دوسرا شخص اس کے ساتھ شریک ہے۔ (۹)

ولایت کی شروط

متولی میں مندرجہ ذیل شروط کا پایا جانا لازمی ہے۔

۱۔ عاقل

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عقل، تولیت کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے مجنون کی تولیت صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ مال کی نگرانی اور حفاظت کا اہل نہیں ہے۔ مجنون آدمی کی تولیت ایک سال تک باقی رہتی ہے۔ بعض کے نزدیک اس کی تولیت دو ماہ تک برقرار رہ سکتی ہے۔ اس کے بعد قاضی اس کو معطل کردے گا۔ اور اس کی جگہ کسی اور کو متولی مقرر کر دے گا۔ وہ اس وقت تک کام کرے گا جب تک اس کو افاقہ نہ ہو۔

۲۔ بلوغ

تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بلوغ بھی تولیت کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے کہ بچہ مال کی حفاظت کا بذاتِ خود اہل نہیں ہوتا اور اس کے اپنے اموال دوسروں کی ولایت میں ہوتے ہیں۔ جب وہ اپنے مال کی نگرانی کا اہل نہیں ہے تو وقف کی املاک کی نگرانی کیسے کر سکتا ہے۔ البتہ بعض کے ہاں اس کی تولیت صحیح ہے، مگر اس حالت میں اس کا ولی اس کا قائم مقام ہوگا جب وہ بالغ ہو جائے گا تو پھر وہ تولیت کا حق لے لے گا۔ (۱۰)

بہرحال متولی کسی اہل شخص کو مقرر کیا جائے گا۔ بچہ چونکہ نگرانی کا اہل نہیں ہوتا اس لیے اس کی تولیت بالاتفاق علماء کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

۳ ۔ عدالت

عدالت کے مختلف مفہوم لیے گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ شخص جو کبیرہ گناہوں سے اجتناب اور صغیرہ پر اصرار اور خطاکار و مفسد لوگوں کی بات پر اعتماد نہ کرتا ہو، عادل کہلاتا ہے۔ علامہ سیوطی کے ہاں عدالت، نفس کے اس ملکہ کا نام ہے جو انسان کو کبیرہ گناہوں سے اجتناب اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

احناف کے ہاں متولی میں عدالت اور دیانت کا موجود ہونا ضروری ہے۔ ان کے ہاں متولی میں صفتِ عدالت کا موجود ہونا اس کی تولیت کی صحت کے لیے شرط نہیں ہے بلکہ اس کے ترجیحی استحقاق (اولیت) کے لیے لازمی ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک متولی میں عدالت کی شرط کا ہونا لازمی ہے خواہ واقف خود متولی ہو یا اس کی طرف سے یا قاضی کی طرف سے مقرر کردہ ہو۔ اس لیے اگر متولی میں یہ شرط موجود نہ ہو تو اس کو معزول کیا جائے گا اور یہ معزولی حاکم کے حکم پر ہوگی۔ (۱۱)

بعض کے ہاں متولی میں عدالتِ ظاہری کا موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ عدالتِ باطنی کا موجود

ہونا ضروری ہے۔

یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ متولی میں صفتِ عدالت اوّل سے لے کر آخر تک موجود ہونا ضروری ہے۔ اس لیے اگر ابتدا میں یہ صفت موجود تھی مگر آخر میں وہ فاسق بنا تو اپنے عہدے سے معزول کیا جائے گا۔ ہاں اگر متولی اپنے فسق سے توبہ کر لے تو اس کو دوبارہ اپنے عہدے پر مقرر کیا جا سکتا ہے۔

مالکیوں کے ہاں کسی بھی متولی میں دیانت اور امانت کا ہونا لازمی ہے، مگر ان کے ہاں اس کی تین حالتیں ہیں۔

۱۔ اگر متولی واقف کا مقرر کردہ ہو تو اس کے علاوہ کوئی اور اس کو معزول نہیں کر سکتا۔ اس لیے قاضی اس فاسق متولی کو اس وقت تک معزول نہیں کر سکتا جب تک موقوف علیہم اس سے راضی ہوں۔ (۱۲)

۲۔ اسی طرح قاضی بھی اس وقت تک فاسق متولی کو معزول نہیں کر سکتا جب تک موقوف علیہم جو معیّن ہوں، اس سے خوش ہوں۔

۳۔ اور اگر متولی فاسق اور بدکردار ہو اور قاضی کا مقرر کردہ ہو تو وقف کی املاک اور مستحقین کے حقوق کی حفاظت کے لیے اس کا معزول کیا جانا ضروری ہے گویا قاضی متولی کو بغیر ارتکابِ جرم معزول نہیں کر سکتا، مگر واقف کر سکتا ہے۔

حنابلہ کے ہاں واقف اور قاضی کے مقرر کردہ متولیوں اور موقوف علیہم کی طرف سے مقرر کردہ متولی میں فرق ہے اس لیے جب موقوف علیہم تمام کے تمام متولی ہوں تو عدالت کی شرط کا ان میں موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر متولی قاضی کا مقرر کردہ ہو اور پہلے وہ عدالت کی صفت سے متصف تھا اور بعد میں فاسق بنا تو اس کو معزول کیا جائے گا اور اس کی جگہ دوسرے متولی کا تقرر عمل میں لایا جائے گا۔ (۱۳)

اگر متولی واقف کا مقرر کردہ ہو، جبکہ پہلے وہ عادل تھا اور بعد میں فاسق بنا تو اس کی تولیت صحیح ہوگی مگر اس حالت میں مستحقین کے حقوق کی نگہداشت کا ضرور بندوبست کیا جائے گا۔ البتہ بعض کے ہاں اس کی تولیت اس وقت ختم ہوگی جب مستحقین کے حقوق کو اس کی تولیت میں نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو اس لیے کہ ایک فاسق کی ولایت کو باقی رکھنے کے مقابلے میں وقف مال کی حفاظت کا خیال رکھنا زیادہ اہم ہے۔

صفت عدالت سے متعلق اس تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ عدالت کی شرط لگانے سے

فقہاء وقف کی املاک کی حفاظت' ان کے صحیح اور مناسب استعمال اور موقوف علیھم کو ان کے حقوق دینے کو یقینی بنانا چاہتے ہیں یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب متولی وقف املاک کے صحیح اور مناسب استعمال پر قادر ہو اور اس کے بارے میں امانت دار ہو۔ دوسرے یہ کہ متولی فاسق نہ ہو۔ فسق یہ ہے کہ آدمی دین کی طرف سے عائد شدہ پابندیوں کا خیال نہ رکھے یعنی اوامر و نواہی اور اعلیٰ اقدار کو ملحوظِ خاطر نہ رکھے۔ لہٰذا ہر مرتکبِ کبیرہ فاسق ہے۔ (۱۴)

مگر عصرِ حاضر میں اس قسم کے نیک لوگوں کا پایا جانا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس لیے جو آدمی مال کے سلسلے میں امین اور دیانت دار ہو اور مال سے متعلق امور میں عدالت کی صفت سے متصف ہو تو وہ متولی بن سکتا ہے۔ اگرچہ وہ اسلامی تعلیمات کا بطریقِ احسن خیال نہ رکھ سکتا ہو' اور کبھی کبھار اس سے بعض ممنوع افعال کا ارتکاب بھی ہوتا ہو۔

۴۔ کفایہ

چوتھی شرط کفایہ ہے۔ کفایت سے مراد وقف املاک میں تصرف کرنے کی قدرت اور صلاحیت رکھنا ہے۔ سارے فقہاء کے ہاں متولی میں اس صفت اور اہلیت کا ہونا لازمی ہے۔

شوافع' حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں متولی کی تولیت کی صحت کے لیے اس میں کفایت کا ہونا لازمی ہے۔

احناف کے ہاں اس میں اس صفت کا موجود ہونا صحت کے لیے نہیں بلکہ اولیت کے لیے شرط ہے۔

۵۔ اسلام

پانچویں شرط اسلام ہے۔ متولی کے مسلمان ہونے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

ا۔ متولی کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ کافر وقف کے ان املاک کا متولی نہیں بن سکتا جن کے موقوف علیھم مسلمان ہوں یا مساجد' فقراء اور طالب علم ہوں اور اگر موقوف علیہ معیّن کافر ہو تو کافر کو اس کا متولی بنایا جا سکتا ہے۔ احناف کے ہاں متولی کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔ ان کے ہاں کافر بھی متولی بن سکتا ہے خواہ وہ واقف کی طرف سے مقرر کردہ متولی ہو یا قاضی کی طرف سے۔ موقوف علیھم مسلمان ہوں یا ذمی' مساجد ہوں یا فقراء' چونکہ متولی کے تقرر کا مقصد وقف املاک کی حفاظت اور مستحقین کے حقوق کی نگرانی ہے اور یہ صفت غیر مسلم میں بھی پائی جاتی ہے اس لیے اس کو متولی بنایا جا سکتا ہے۔ (۱۵)

مگر میری رائے میں راجح رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کے وقف املاک پر کافر کا متولی مقرر کرنا

صحیح اور حکمت کی بات نہیں ہے۔اس لیے کہ وقف ایک اسلامی ادارہ ہے اور شریعت کا حکم ہے۔ اس کا مقصد نیک کاموں کا کرنا' مستحقین کے لیے وظائف جاری کرنا اور اسلامی شعائر کو سربلند رکھنا ہے۔ اس کا مقصد مسجدوں اور دینی مدارس کا قیام اور مسلمان فقراء کی ضرورتوں کی تکمیل ہے اور کافر ان چیزوں میں اور ان کی احیاء میں دلچسپی نہیں رکھ سکتا۔ اور نہ اس کو جہاد فی سبیل اللہ میں کسی قسم کی رغبت ہو سکتی ہے اس لیے کافر کو متولی مقرر کرنا حکمت کی بات نہیں ہے۔

متولی کی ذمہ داریاں

چونکہ متولی وقف املاک کی حفاظت' نشوونما اور شرع کے مطابق ان میں تصرف کرنے کے لیے مقرر کیا جاتا ہے اس لیے اس سلسلے میں وہ جو بھی قدم اٹھاتا ہے اس کو اس کے اٹھانے کا حق حاصل ہے اس کے برعکس اس کو کسی قسم کا حق حاصل نہیں۔ دوسرے الفاظ میں متولی کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ وقف کی حفاظت اور تعمیر کرے' ان کو اجارہ پر دے' ان میں کاشت کرے اور کرائے' ان کے بارے میں مقدمہ بازی کرے' ان کی اجرت اور پیداوار وصول کرے' ان کی نشوونما اور ترقی میں مقدور بھر کوشش کرے' ان کی پیداوار اور آمدنی میں سے وقف شدہ املاک کی تعمیر' اصلاح اور مستحق لوگوں پر خرچ کرے' غیر مناسب مقامات پر اس کو خرچ کرنے سے روکے اور ان سے وظائف دے۔ متولی کے فرائض بالتفصیل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ وقف کی تعمیر

وقف کی تعمیر متولی کے اوّلین فرائض میں سے ہے اس لیے کہ اگر وہ اس کی تعمیر سے دست کش ہو جائے تو اس سے وقف املاک کے برباد اور خراب ہونے کا قوی امکان ہے۔ اور ان سے جن مقاصد کا حصول مدنظر تھا وہ حاصل نہیں ہو سکیں گے۔ اس لیے متولی وقف املاک کی تعمیر کو اپنا اوّلین فرض شمار کرے' اس کی اجازت اس کو واقف کی طرف سے دی گئی ہو یا نہ۔ (۲۶)

وقف کی آمدنی سے سب سے پہلے متولی اس کی تعمیر پر پیسہ خرچ کرے گا اور بعد میں جو کچھ بچ جائے وہ مستحقین کو دے گا۔ اگر وقف شدہ چیز درخت ہے اور اس کے خراب اور ضائع ہونے کا خطرہ ہے تو اس کے کاٹنے اور قابلِ فروخت بنانے پر پہلے پیسہ خرچ کیا جائے گا تاکہ اس کی لکڑی ضائع نہ ہو۔ اسی طرح اگر زمین بنجر ہے یا قابلِ کاشت نہیں ہے تو وہ اس کی اصلاح پر سب سے پہلے پیسہ خرچ کرے گا۔ گویا کہ وقف املاک کی تعمیر اور اصلاح' مستحقین پر خرچ کرنے

کے مقابلے میں اولیت رکھتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو اور اصل جائیداد ضائع ہو جائے تو اس سے آمدنی کے حصول کی کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔ پھر مستحقین کے حقوق کی ادائیگی کا اصل سرچشمہ خشک ہو جائے گا۔ اس لیے جائیداد کی تعمیر اور مرمت باقی تمام چیزوں پر فوقیت رکھتی ہے۔

جائیداد کی تعمیر پر جو رقم خرچ کی جائے گی اس کی صورتیں حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ واقف نے وقف املاک پر خرچ کرنے کے لیے کسی مال کی نشاندہی کی ہو۔

۲۔ وقف شدہ املاک کی قیمتیں چڑھ جانے سے۔

۳۔ وقف شدہ جائیداد سے استفادہ کرنے سے۔

۴۔ وقف شدہ املاک عام فلاح و بہبود کے لیے ہوں جیسے مسجد اور مدرسہ۔

دوسری صورت میں وقف شدہ املاک گھر، دکانیں اور زرعی زمین وغیرہ ہو سکتے ہیں ان کی تعمیر اور اصلاح کی اگر ضرورت پڑے اور واقف نے اس کے لیے کسی حد کی نشاندہی نہ کی ہو تو ان کی پیداوار سے ان کی تعمیر اور اصلاح پر خرچ کرنے کو اولیت دی جائے گی۔ اگر وقف شدہ چیز گھر ہوں اور ان میں موقوف علیھم قیام پذیر ہوں تو ان کی اصلاح اور تعمیر ان کے ذمہ ہے۔ متولی ان پر وقف کی آمدنی سے خرچ نہیں کر سکتا اور اگر موقوف علیھم میں سے کوئی ان کی تعمیر اور اصلاح کرنے سے عاجز ہو تو قاضی اور متولی ان گھروں کو اجارہ پر دیں گے اور اجارے کی آمدنی سے جو رقم حاصل ہوگی اس پر ان کی تعمیر اور اصلاح کی جائے گی اور آخر کار اجارے کی رقم پوری ہونے کے بعد وہ گھر سابقہ موقوف علیھم کو واپس کر دیے جائیں گے۔ (۱۷)

اگر وقف شدہ اشیاء، مسجد، مدارس اور ہسپتال ہیں اور ان کی تعمیر اور اصلاح کی ضرورت پڑے تو ان کے لیے خاص مدات ہیں جیسے دکانیں، رہائشی مکان اور زرعی زمین۔ ان کی آمدنی سے ان پر خرچ کیا جائے گا۔

اگر ان کے ساتھ مذکورہ بالا ذرائع آمدنی نہ ہوں تو بیت المال سے ان پر رقم خرچ کی جائے گی۔

۲۔ شروط کا نفاذ

متولی کی دوسری ذمہ داری واقف کی شروط کا نفاذ ہے۔ وہ ہر حالت میں واقف کی ہدایات پر عمل پیرا رہے گا۔

متولی کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ وقف املاک کی آمدنی سے ان املاک پر عائد شدہ ٹیکس، قرضے، مزدوروں کی مزدوری، جائیداد کے اردگرد باڑ لگانے کا خرچ وغیرہ ادا کرے، مستحقین کو ان

کے حقوق بہم پہنچائے اور ان کی ادائیگی میں غیر ضروری تاخیر نہ کرے' وہ وقف املاک کی حفاظت اور نگرانی کرے' ان کی حد بندی کرے' ان کو اوروں کے ناجائز تصرفات سے بچائے اور جس کسی نے ان میں سے کوئی حصہ زبردستی لے لیا ہو اس کو واپس کرائے' اس کے لیے اگرچہ اس کو مقدمہ بازی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ اس کا تمام خرچ وقف املاک کی آمدنی سے ادا کیا جائے گا۔

متولی وقف شدہ کسی بھی گھر کو کشادہ کر سکتا ہے' رہائشی مکانات کو دکانوں میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اور وقف اور مستحقین کے مفاد میں ان میں تصرف کر سکتا ہے۔ وقف شدہ عمارات اور گھروں کے کرایہ کو مناسب طریقے سے بڑھا کر ان کی آمدنی کو بڑھا سکتا ہے۔ (۱۸)

اگر وقف شدہ املاک قابلِ کاشت زمین ہو جو آبادی کے قریب ہو اور متولی کے خیال میں یہ بات موقوف علیہم کے مفاد میں ہو کہ اس پر رہائشی مکانات یا دکانیں تعمیر کرائی جائیں تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور اگر زراعت کی آمدنی مکانوں اور دکانوں کی آمدنی سے زیادہ ہو تو پھر اس کی ہیئت کو تبدیل کرنا درست نہیں۔

متولی وقف جائداد کو اجارہ پر دے سکتا ہے اور یہ اس کا حق ہے کہ ایسا کرے اِلّایہ کہ واقف نے اس کو ایسا کرنے سے منع کیا ہو۔ متولی وقف شدہ زمین میں کاشت کر سکتا ہے' یہ کاشت وہ خود بھی کر سکتا ہے اور پیداوار میں سے کسی حصے کے بدلے بھی دے سکتا ہے۔

متولی زرعی زمین کو کاشت کرتے وقت اس کے لیے تخم بھی خرید سکتا ہے' ہل چلانے کے لیے بیل' ٹریکٹر اور دوسرے آلات زراعت بھی خرید سکتا ہے۔

متولی وقف شدہ زمین میں رہائشی گاؤں بھی بنا سکتا ہے۔ زراعت سے متعلق آلات اور دوسری چیزوں کے لیے اس میں مکان بھی بنا سکتا ہے مگر ان میں شرط یہ ہے کہ اس میں فائدہ ہو۔

متولی کے لیے کون کون سے تصرفات جائز نہیں ہیں

۱۔ متولی وقف املاک پر قرض نہیں لے سکتا' البتہ اگر وقف شدہ املاک کی تعمیر اور اصلاح یا زمین کے لیے تخم وغیرہ خریدنے کی ضرورت پڑے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔

احناف' وقف پر قرض لینے کو دو شروط کے ساتھ مشروط کرتے ہیں : قاضی وقف پر قرض لینے کی اجازت دے یا وقف شدہ املاک سے آمدنی کی توقع نہ ہو جس سے وقف کی تعمیر اور اصلاح پر پیسہ خرچ ہو۔ حنابلہ اور مالکیہ بھی وقف کی تعمیر اور اصلاح کے لیے وقف شدہ املاک

پر قرض لینے کو جائز قرار دیتے ہیں' البتہ وہ اس کو قاضی کی اجازت کی شرط کے ساتھ مشروط کرتے ہیں۔ (۱۹)

۲۔ وہ وقف شدہ املاک کو رہن بھی نہیں رکھ سکتا۔ متولی کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ وقف املاک کی تعمیر اور اصلاح یا مستحقین میں سے کسی کی ضرورت پوری کرنے کے سلسلے میں لیے ہوئے قرض کے عوض وقف املاک کو رہن میں رکھ لے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے وقف املاک کو مرتہن کی طرف سے نقصان پہنچنے کا شدید خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ رہن رکھنے سے وقف شدہ املاک کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

۳۔ متولی کسی کو وقف شدہ رہائشی مکان مفت نہیں دے سکتا اور اگر اس نے ایسا کیا تو وقف شدہ املاک کی حفاظت کی خاطر اس سے اتنا ہی کرایہ لیا جائے گا جتنا اس جیسے دوسرے گھر کا ہے۔ اس کو یہ اجازت بھی نہیں ہے کہ وہ خود وقف کے کسی گھر میں سکونت اختیار کرے۔

۴۔ متولی خود یا اس کی طرف سے مقرر شدہ کوئی دوسرا متولی وقف شدہ املاک کو اجارہ پر نہیں لے سکتا۔ وہ وقف املاک کو اپنے دادا' اور اولاد یا شوہر یا بیوی کو اجارہ پر نہیں دے سکتا ایسا کرنے سے اس پر الزام لگنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ (۲۰)

متولی کے حقوق

متولی وقف شدہ املاک سے تنخواہ کے طور پر اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے مناسب رقم لے سکتا ہے۔ تنخواہ کی یہ رقم محدود نہیں ہو سکتی اس لیے کہ وقف اور اشیاء کی مہنگائی کی مناسبت سے یہ گھٹ اور بڑھ سکتی ہے۔ تنخواہ اس کو نقدی کی صورت میں ماہوار یا سالانہ بھی دی جا سکتی ہے اور پیداوار میں سے ایک حصے کے طور پر بھی' یہ حصہ دسواں بھی ہو سکتا ہے اور بیسواں بھی۔

وقف املاک سے متولی کی تنخواہ کا ثبوت رسول کریمؐ اور حضرت عمرؓ دونوں سے ثابت ہے۔

تنخواہ کی مقدار کے تعین میں حسب ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

اگر تنخواہ کی تعداد واقف نے مقرر کی ہو تو اتنی ہی رقم اس کو ماہوار یا سالانہ نقدی یا پیداوار میں سے ایک حصے کے طور پر دی جائے گی۔ واقف اجرِ مثل سے بھی زیادہ دے سکتا ہے۔

اگر واقف نے تنخواہ کی رقم مختص نہیں کی ہے تو قاضی اس کی تنخواہ کا تعین کرے گا۔ مگر اس کو اجرِ مثل سے زیادہ دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔

شوافع کے ہاں اگر واقف نے اس کے لیے تنخواہ مقرر نہیں کی ہے تو قاضی کی اجازت کے بغیر اس کو تنخواہ نہیں دی جائے گی۔ اگر اس نے بھی تنخواہ مقرر نہ کی ہو تو پھر وہ کوئی تنخواہ لینے کا مستحق نہیں ہے۔

مالکیہ کے ہاں اگر واقف نے اس کے لیے تنخواہ مقرر نہ کی ہو تو اس کی تنخواہ بیت المال سے ادا کی جائے گی' وقف املاک کی آمدنی سے اس کو تنخواہ نہیں دی جائے گی۔

حنابلہ کے ہاں اگر متولی کے لیے واقف نے کوئی تنخواہ مقرر نہ کی ہو تو وہ اگر تنخواہ کا محتاج نہ بھی ہو' وقف املاک کی آمدنی سے معروف طریقے کے مطابق تنخواہ لے گا یا اس کو اجر مثل ملے گا۔ (۲۱)

وہ کب تنخواہ لینے کا مستحق ٹھہرتا ہے؟

متولی تنخواہ لینے کا اس وقت مستحق ٹھہرتا ہے' جب وہ وقف املاک کے سلسلے میں اپنی ذمہ داری پوری طرح ادا کرتا ہو اگر وہ ایسا نہیں کرتا یا اس میں خیانت کا مرتکب ہو جائے یا مر جائے تو وہ پھر تنخواہ لینے کا حقدار نہیں ٹھہرتا۔ اگر متولی نے وقف کا کاروبار چلانے کے لیے اپنی طرف سے ایک نائب مقرر کیا تو اس کی تنخواہ اس کے ذمہ ہوگی۔ البتہ اگر واقف نے اس کو ایسا کرنے کی اجازت دی تو پھر اس کو وقف کی آمدنی سے تنخواہ دی جا سکتی ہے۔

متولی کے کام کے گھنٹے اتنے ہی ہوں گے جتنے کہ اس جیسے دوسرے لوگوں کے ہوتے ہیں نہ ان سے کم اور نہ زیادہ۔ یہی حال عورت متولیہ کا بھی ہے۔

اگر واقف نے وقف نامے میں اس کے لیے تنخواہ کا تعین نہ کیا ہو تو محکمہ کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا شخص تنخواہ کے تعین کا حقدار نہیں ہے البتہ اگر واقف نے وقف نامے میں تنخواہ کا تعین نہ کیا ہو تو محکمہ اوقاف اس کی تنخواہ مقرر کر سکتا ہے۔

متولی کو واقف کی طرف سے مقرر کردہ تنخواہ ملے گی۔ (۲۲)

متولی کی معزولی

متولی چونکہ واقف کا وکیل ہوتا ہے اس لیے وہ اس کو جب چاہے معزول کر سکتا ہے۔ اور اس کی وفات کے بعد وہ خود بخود معزول ہوتا ہے۔ اور اگر واقف وقف نامے میں اس بات کا ذکر کرے کہ وہ اس کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی اس کا متولی ہوگا تو وہ اس کی وفات کے بعد بھی قائم رہے گا۔ البتہ اگر متولی قاضی کی طرف سے مقرر کردہ ہو تو وہ قاضی کی وفات کے

بعد معزول نہیں سمجھا جائے گا۔

متولی علانیہ طور پر خیانت کا ارتکاب کرے تو وہ معزول ہوتا ہے اسی طرح اگر اس کو جنون لاحق ہو جائے یا فسق اور نااہلی کا شکار ہو جائے تو اس کو معزول کیا جائے گا۔ جنون کا وقفہ ایک سال کا ہے۔

خیانت کے سلسلے میں صرف زبانی الزام کافی نہیں ہے۔ بلکہ ظاہری ثبوت کی ضرورت ہوگی۔ مثلاً اوقاف کو مرمت کی ضرورت لاحق ہوگئی' اوقاف کی آمدنی موجود ہے مگر متولی اس کی مرمت پر پیسہ خرچ نہیں کرتا یا اس میں کوتاہی کرتا ہے یا اوقاف کو بیچتا ہے یا اس میں ناجائز تصرف کرتا ہے تو یہ علانیہ خیانت میں شمار ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ متولی رہنے کا مستحق نہیں ہے البتہ اگر وہ اپنی خیانت سے توبہ کرتا ہے تو اس کو دوبارہ بحال کیا جا سکتا ہے۔

متولی اگر فاسق ہے تو اس سے بھی وقف کے انتظام میں خلل واقع ہونے اور مال کے ضیاع کا خطرہ ہے۔ یہ تولیت اور وقف کے مقاصد کے خلاف ہے۔

واقف یا قاضی شرع کسی اہم ضرورت اور مصالح وقف کے لیے متولی کو معزول کر سکتا ہے لیکن ان کی عدم موجودگی میں کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔ اس سے بد انتظامی پیدا ہوتی ہے۔

قاضی شرع' واقف یا اس کی طرف سے مقرر شدہ وہ متولی جس کو متولی کے تقرر اور معزولی کا اختیار حاصل ہو' مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر متولی کو معزول کر سکتا ہے چونکہ اس میں ولایت عامہ یا خاصہ کی ضرورت ہوتی ہے جو قاضی شرع' واقف اور ان کے متولی کو حاصل ہے۔ مگر موقوف علیہم کو چونکہ حق تصرف پر ولایت حاصل نہیں ہے اس لیے وہ متولی کو معزول نہیں کر سکتے۔ (۲۳)

جہاں تک اہل محلّہ کا تعلق ہے تو ان کو ولایت عامہ یا خاصہ کوئی بھی حاصل نہیں اور متولی کو ان کی طرف سے وکالت' نیابت کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اس لیے وہ متولی کو معزول نہیں کر سکتے البتہ اگر متولی کی خیانت' فسق اور جنون اور نااہلی سے ان اوقاف کو نقصان پہنچتا ہو جن کا اثر اہل محلّہ پر پڑتا ہو تو وہ اس ضرر کو دفع کرنے کے لیے علماء کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کر سکتے ہیں۔ اور وہ شریعت کے مطابق فریقین کے درمیان فیصلہ کر سکتے ہیں۔

اور اگر متولی خیانت ظاہری' فسق' جنون اور نااہلی جیسے عیوب سے پاک ہے اور عام مسلمانوں کی نظر میں وہ کافی عرصے سے قابل' امین اور دیندار چلا آرہا ہے تو اس کو ہرگز معزول

نہیں کیا جا سکتا۔ (۴۴)

حوالے

نوٹ۔ مضمون ہذا کے آخر میں حروفِ تہجی کے لحاظ سے کتابیات کی فہرست دی گئی ہے۔ جس میں ہر کتاب کا نام، مصنف کا نام، مقام طباعت، سن طباعت، جلد نمبر وغیرہ دیے گئے ہیں۔ اس لیے حوالے میں صرف اس کتاب کا نمبر دیا جائے گا جس کا حوالہ دینا مقصود ہے۔

۱۔ نمبر ۵۲، ۵۰ ولی
۲۔ ایضاً"
۳۔ مجموعۃ الصحاح الستہ، کتاب الوقف (تالیف شرف الدین رحمۃ اللہ)
۴۔ نمبر ۷ و نمبر ۲۲ وقف ایضاً" نمبر ۹، ص ۳۶۱
۵۔ نمبر ۲۶ وقف
۶۔ ایضاً" و ایضاً" نمبر ۱۲ وقف
۷۔ نمبر ۱۴ وقف
۸۔ نمبر ۳۰، نمبر ۲۲ وقف
۹۔ نمبر ۸، نمبر ۵۵"
۱۰۔ نمبر ۲۸، نمبر ۳۶، نمبر ۴۲، نمبر ۲۵ وقف
۱۱۔ ۱۰۔ نمبر ۲۸، نمبر ۳۶، نمبر ۴۲، نمبر ۲۵ وقف
۱۲۔ ۱۰۔ نمبر ۲۸، نمبر ۳۶، نمبر ۴۲، نمبر ۲۵ وقف
۱۳۔ نمبر ۲۶، نمبر ۲۳، نمبر ۵۵ وقف
۱۴۔ نمبر ۲۶، نمبر ۲۳، نمبر ۵۵ وقف
۱۵۔ نمبر ۱۵، نمبر ۱۸، نمبر ۵۵
۱۶۔ نمبر ۵، نمبر ۳۶، نمبر ۲۸ وقف
۱۷۔ نمبر ۲۲، ۲۶، ۱۱، ۱۲، ۵۵
۱۸۔ نمبر ۲۲، ۲۶، ۱۱، ۱۲، ۵۵
۱۹۔ نمبر ۵، ۱۴، ۵۵
۲۰۔ نمبر ۵، ۱۴، ۵۵
۲۱۔ نمبر ۲۲، ۲۶، ۱۱
۲۲۔ نمبر ۲۲، ۲۶، ۱۱ نمبر ۵، ۳۶
۲۳۔ نمبر ۲۲، ۲۶، ۱۱
۲۴۔ نمبر ۲۲، ۲۶، ۱۱ نمبر ۴۳، ۵۵

کتابیات

۱۔ قرآن کریم
۲۔ ابن ماجہ السنن۔ (کتاب الاحکام)
۳۔ ابو داؤد الجامع السنن کتاب الوصایا
۴۔ احکام تولیت وقف عبدالرحیم پولیٹکی لاہور
۵۔ احکام فقہ اسلامی سید امیر علی اردو ترجمہ
۶۔ احکام الوقف۔ خصاف
سید ابو الحسن۔ وقف
۷۔ احکام الوقف محمد شفیق العانی بغداد، ۱۹۶۰ء
۸۔ احکام الوقف فی الشریعۃ الاسلامیہ الکبیسی جلد دوم
۹۔ اسلام کا اقتصادی نظام سید حامد روی، دہلی ۱۹۵۹ء
۱۰۔ اسلام کا مالیاتی نظام رفیع اللہ شہاب
۱۱۔ اعلاء السنن۔ مولانا ظفر احمد عثمانی، جلد ۱۳، وقف
۱۲۔ البحر الرائق ابن نجیم۔ وقف

۱۳- بخاری شریف کتاب الشهادات
۱۴- بدائع الصنائع کاسانی- وقف
۱۵- البنایۃ فی شرح الھدایۃ المعروف بہ عینی، بدر الدین عینی- وقف
۱۶- بیہقی: السنن الکبریٰ- وقف
۱۷- ترمذی
۱۸- تلخیص الجیر وقف
۱۹- جواھر الفقہ مولانا مفتی محمد شفیع
۲۰- خیریہ شرح بحرالرائق علامہ خیرالدین- وقف
۲۱- در مختار
۲۲- ردالمختار ابن عابدین
۲۳- السعایۃ عبدالحی لکھنوی، لاہور ۱۹۳۶ء وقف
۲۴- شرح الازھار، جلد ۳، کتاب الوقف
۲۵- فتاویٰ سبکی ابوالحسن تقی الدین سبکی، پہلی جلد، وقف
۲۶- فتاویٰ عالمگیری
۲۷- الفتاوی الکبریٰ ابن تیمیہ وقف
۲۸- فتح القدیر، ابن ہمام، وقف
۲۹- کتاب الام، امام شافعی
۳۰- کتاب الاموال ابن زنجویہ ارض مفتوحہ، ارض خیر
۳۱- کتاب الاموال، ابوعبیدہ، ارض مفتوحہ، ارض خیر
۳۲- کتاب الخراج، ابویوسف " "
۳۳- کفایۃ المفتی: مفتی کفایت اللہ وقف
۳۴- کنزالعمال: علی المتقی، وقف
۳۵- المبسوط سرخسی- وقف
۳۶- مجموعہ قوانین اسلام، ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، جلد ۳، وقف
۳۷- محاضرات فی الوقف ابوزھرۃ
۳۸- مسلم، کتاب الوصایا
۳۹- معارف القرآن، مولانا مفتی محمد شفیع
۴۰- معاشیات اسلام، مولانا مودودیؒ
۴۱- معانی الآثار، طحاوی
۴۲- مغنی، ابن قدامہ، جلد پنجم: کتاب الوقف
۴۳- منتہی الارب
۴۴- منحۃ الخالق علی بحرالرائق، ابن عابدین، وقف
۴۵- نسائی سنن، کتاب الاجناس
۴۶- نیل الاوطار، شوکانی، وقف
۴۷- وقاء الوفاء، سمہودی، وقف
۴۸- ہدایۃ، مرغینانی، وقف

لغات

49- al-Farazid al-Durriyyah (فرائض الدریہ)

50- Modern English Arabic Hans wehr

51- Lisan al-Arab (لسان العرب)

52- Qamus Fairoaz Abadi (القاموس، فیروز آبادی)

53- Taj al-Urus (تاج العروس)

54- Taxation in Islam vol.II by A. Ben Shemesh London 1965 25-27.

ضمیمہ

۵۵۔ احکام الاوقاف، جلد اول مصطفیٰ الزرقاء، دمشق ۱۹۴۷ء
۵۶۔ مجموعۃ الصحاح الستہ لشرف الدین ہبۃ اللہ، الوقف۔
۵۷۔ مغنی المحتاج للشربینی۔ وقف

بقیہ: رسائل و مسائل

ہو سکتی ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ متعہ حرام ہے اور اس مسئلہ پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ میرے نزدیک قرآن پاک کی ان دونوں آیات سے حرمتِ متعہ کی طرف اشارہ قویہ نکلتا ہے کیونکہ متعہ کے ذریعہ جس عورت کو لایا جاتا ہے اس سے صرف شہوت رانی مقصود ہوتی ہے اور وہ بیوی نہیں ہوتی۔ مزید تفصیل کے لیے آپ معارف القرآن (مفتی محمد شفیعؒ) اور تفہیم القرآن (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ) کے متعلقہ مقامات، جن کا حوالہ دیا گیا ہے، کا مطالعہ فرمالیں۔ اس کے بعد کوئی شک و شبہ ہو تو تحریر فرمائیں، جواب دے دیا جائے گا۔

بقیہ: قرآن کی بعض صفات

(۲) سفینۂ نجات — مولانا جلیل احسن ندوی
(۳) تدبرِ قرآن — مولانا امین احسن اصلاحی
(۴) تفہیم القرآن — مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
(۵) ترجمان القرآن — مولانا ابوالکلام آزاد
(۶) الکشاف — للزمخشری
(۷) لسان العرب — لابن منظور
(۸) القاموس المحیط — للفیروز آبادی
(۹) مختار الصحاح — محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الرازی
(۱۰) تفسیر ابن کثیر — علامہ ابن کثیر
(۱۱) دین کا قرآنی تصور — مولانا صدر الدین اصلاحی
(۱۲) جامع الترمذی — لابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی

عموماً آیات کا ترجمہ تفہیم القرآن یا تدبر قرآن سے ماخوذ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا تصور اور نظامِ معیشت

ممتاز احمد سالک

(قسط ۱)

دنیا کے تمام معاشی نظاموں کے اختلاف کی اصل وجہ ملکیت کا تصور ہے۔ اس میں پہلا نزاعی مسئلہ یہ ہے کہ کیا اشیاء پر مالکانہ حقوق افراد کو حاصل ہونے چاہئیں، کسی خاص گروہ کو یا پورے معاشرے کو؟ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ملکیت پر اختیارات کے حدود و قیود کیا ہونے چاہئیں؟ اور تیسرا یہ کہ ملکیت میں اشیائے صرف اور اشیائے سرمایہ کا فرق ملحوظ رکھنا چاہیے یا نہیں؟ نظامِ سرمایہ داری، جاگیرداری، اشتراکیت اور فسطائیت کی عہدِ حاضر میں جتنی مختلف صورتیں پائی جاتی ہیں ان کا وجود انہی سوالات کے الگ الگ جوابات کا مرہونِ منت ہے۔ اور عہدِ قدیم میں بھی خانہ بدوشی اور قبائلیت سے لیکر شہنشاہیت تک جو الگ الگ معاشی قواعد پائے جاتے تھے، ان کی اساس ملکیت ہی کے مختلف تصورات تھے۔

اسلام نے اس بارے میں نہایت منفرد تصور دیا ہے، وہ یہ ہے کہ انسان سرے سے کسی چیز کا مالک ہے ہی نہیں، اس کی طرف ملکیت کی نسبت حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ مجازی معنوں میں ہے۔ اس لیے ملکیت کے سلسلے میں وضعی نظاموں کے اختیار کردہ تمام تصورات پُر فریب اور باطل ہیں اور دنیا کے تمام فسادات، مظالم اور جھگڑوں کی بنیاد ہیں۔ حقیقتاً کائنات کی ہر چیز صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (سورۃ البقرہ ۲: ۲۵۵)

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (سورۃ المائدہ ۵:۱۸)

زمین اور آسمان اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے سب اللہ کی مِلک ہے اور اسی کی

طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

اس آیت میں لفظ مِلک استعمال ہوا ہے۔ بقول امام راغب اصفہانی اس کے معنی زیرِ تصرف چیز پر بذریعہ حکم کنٹرول کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ اقتدار و اختیار اور بادشاہت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور اس پر اسے ایسے مکمل مالکانہ اختیارات بھی حاصل ہیں کہ وہ اس کے حکم و فرمانروائی کے مکمل تابع ہے اور اس سے ذرہ برابر بھی انحراف نہیں کرسکتی۔ اس طرح کی بادشاہت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ کیونکہ وہ قادرِ مطلق ہے۔ جبکہ انسان اپنی ملکیتوں پر اس طرح کی کوئی قدرت نہیں رکھتے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(سورۃ التغابن ۶۴:۱)

اللہ کی تسبیح کر رہی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تمام اشیاء سے اللہ تعالیٰ کے تعلق کی نوعیت لاثانی ہے۔ وہ ایک ایسا مالک ہے جو خود ان کو تخلیق کرنے والا بھی ہے اور حفاظت و نگرانی کرنے والا بھی، اس کے بغیر نہ تو کوئی چیز وجود میں آسکتی ہے اور نہ ہی وجود برقرار رکھ سکتی ہے۔ وہ محض گنتی کی چند اشیاء کا نہیں بلکہ ہر چیز کے خزانوں کا مالک ہے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(سورۃ الزمر ۳۹:۶۲،۶۳)

اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔ زمین اور آسمان کے خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔

انسان جن جن چیزوں پر اپنی ملکیتوں کے دعوے کرتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اور عطا کی ہوئی ہیں۔ اس کا اپنا رزق ہو یا رزق کمانے کی صلاحیتیں یا پھر اس کی معاون و مددگار بے شمار مادی و غیر مادی اشیاء، نامیاتی و غیر نامیاتی اجسام، ان سب پر محیط پورا نظامِ کائنات صرف اسی کی حکمت و تدبیر سے چل رہا ہے۔ اس لیے ساری چیزوں کا حقیقی معنوں میں وہی مالک و کارساز ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ

مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰہُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (سورۃ یونس ۱۰:۳۱)

ان سے پوچھو' کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ ان کی سماعت و بینائی کی قوتوں کا مالک کون ہے؟ کون بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اس نظمِ عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے اللہ' کہو پھر تم تقویٰ کیوں نہیں اختیار کرتے؟

انسان کو کیسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بے قید اور لامحدود مالکانہ حقوق و اختیارات کا دعویٰ کرے' جبکہ اس کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کی لاتعداد مخلوقات میں سے محض ایک مخلوق ہے؟ وہ خود اسی کا مملوک و غلام ہے۔ اسے تو خود اپنی قوتوں' صلاحیتوں اور اپنے حواس پر بھی قدرت و اختیار حاصل نہیں' وہ تو اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں' چہ جائیکہ دوسروں کو فائدہ اور نقصان پہنچا سکے۔ یہی معاملہ اس کے علم و تجربے کا ہے۔ وہ معاشیات کا کتنا ہی بڑا ماہر کیوں نہ ہو' اس کا علم بہرحال محدود اور ظنی ہوتا ہے۔ نہ تو وہ ان تمام محرکات و عوامل کو صحیح طور پر جان سکتا ہے جو اس کے نفع و نقصان پر اثر انداز ہو رہے ہوتے ہیں یا ہوسکتے ہیں اور نہ ہی وہ مستقبل کے حالات و حوادث کے بارے میں کوئی حتمی بات کہہ سکتا ہے۔ اور اگر اسے کسی بات کا پتہ چل بھی جائے تو بھی اس کے اختیار اور بس میں یہ بات نہیں ہے کہ اپنے آپ کو کسی بحران و خطرے سے بچا سکے۔ ہر کام اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ و قدرت میں ہے' صرف اسی کے حکم و منشا سے ہوتا ہے۔ عام افراد تو کیا اللہ کے برگزیدہ پیغمبر بھی اسی کے محتاج ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ۭ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚۖ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ
(سورۃ الاعراف ۷:۱۸۸)

اے نبی ان سے کہو' میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا' سوائے اس کے کہ جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لیے حاصل کرلیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا' میں تو محض ایک خبردار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں۔

دنیا میں املاک و اموال پر اختیار و اقتدار کی جتنی مختلف صورتیں اور قسمیں ہیں' وہ سب اللہ ہی کے حکم و منشا سے مختلف انسانوں کو میسر آتی ہیں اور اس وقت تک ان کے پاس رہتی ہیں

جب تک اللہ کی حکمت و مصلحت ہوتی ہے۔ وہ جس کو جب چاہتا ہے سربلند کر دیتا ہے' یہاں تک کہ اسے حکومت دیکر پورے معاشی نظام میں براہِ راست دخل انداز ہونے اور دوسروں کے اموال و مفادات کے بارے میں پالیسیاں بنانے اور معاشی معاملات کو کنٹرول کرنے کے مواقع دے دیتا ہے۔ اور جس کو جب چاہتا ہے خود اپنی کمائیوں سے استفادہ کرنے سے محروم کر دیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے مال و اسباب کی قلت کے باوجود عزت دے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے وسائل کی بہتات کے باوجود ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ حقیقی اقتدارِ اعلیٰ اور حاکمیتِ مطلق اسی کے پاس ہے۔

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (سورۃ آل عمران ۳:۲۶)

کہو' خدایا' ملک کے مالک' تو جسے چاہے حکومت دے دے اور جس سے چاہے چھین لے' جسے چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے' بھلائی تیرے اختیار میں ہے تو ہر چیز پر قادر ہے۔

کائنات کی تمام موجودات پر اللہ تعالیٰ کا اختیار و اقتدار بلا شرکت غیرے ہے۔ وہ تنہا ہر چیز کا مالک ہے۔ اس کی ملکیت' تخلیق' منصوبہ بندی' تدبیر اور بادشاہی و حکمرانی میں کسی کا قطعاً کوئی حصہ نہیں۔ نہ اس کا کوئی ہمسر ہے' نہ شریک' نہ معاون ہے اور نہ ہی وارث۔ کائنات کی جس دوسری ہستی کا بھی کوئی تصور کیا جاسکتا ہو' وہ بہرحال اس کی مخلوق' محتاج اور مملوک اور غلام ہوگی' اس لیے اس کی ذات' صفات اور اختیارات میں کسی بھی اعتبار سے کسی اور کو حصے دار و شریک ٹھہرانا یا سمجھنا بہت بڑا جھوٹ' تجاوز' غداری اور ظلم ہے' ملکیت کے معاملے میں انسان کا خود اپنے آپ کو یا ثروت و اقتدار کے حامل لوگوں کو مالک' خود مختار اور آزاد سمجھنا اور اللہ کے احکام و فرامین کو نظرانداز کرکے اپنی من مانی کرنا اور ذاتی مرضی و منشا کے مطابق اسے حاصل کرنا اور صرف کرنا' نہ صرف یہ کہ بلا جواز ہے' بلکہ مالکِ حقیقی کے اختیارات میں شرک کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ تمام اشیا میں تصرفات کے اصول و ضوابط مقرر کرنا اور حلال و حرام کی حدود و قیود کا تعین کرنا صرف اسی کا حق ہے۔ وہی نظمِ عالم کو چلا رہا ہے اور اس کی بہتری کو جانتا ہے' انسان کے معاشی اور دیگر معاملات کو صحیح خطوط پر گامزن رکھنے کے لیے ہر چیز کو اس نے وجود بخشنے کے بعد خاص اندازے پر رکھا ہے' اس کے لیے ٹھیک پیمانہ مقرر کیا ہے' اور اس کی تقدیر بھی بنائی ہے۔ تقدیر میں ایک ایک چیز کی صورت' جسامت' قوت و استعداد' اوصاف و

خصائص' کام اور کام کا طریق' بقا کی مدت' عروج و ارتقاء کی حد اور دیگر تمام تفصیلات شامل ہیں۔

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيْرًا (سورۃ الفرقان ۲:۲۵)

وہی ہے جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے' جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا' جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے' جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔

بقول اقبال ؎

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

تصورِ ملکیت دراصل کسی مملوکہ چیز پر اس کے مالک کے چند مخصوص حقوق و اختیارات کی نشاندہی کرتا ہے۔ اگر انہیں ساقط کردیا جائے تو ملکیت ہی ختم ہوجاتی ہے۔ جو ہستی وہ حقوق و اختیارات دینے والی ہوگی اصل مالک وہی ہوگی۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو انسان دنیا کی کسی چیز کا مالک و مختار کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے پاس جو اموال و املاک ہیں ان کا خالق' مالک' رب اور محافظ اللہ تعالیٰ ہے۔ انہیں زیرِتصرف لانے کا شعور و سلیقہ بھی اسی کا عطا کردہ ہے اور جملہ حقوق و اختیارات بھی اسی کے تفویض کردہ ہیں۔ اور پھر ان کے اندر نفع رسانی اور خدمت گزاری کی قوتیں اسی کے حکم سے پیدا ہوئی ہیں اور اس کی مرضی و منشا تک جاری رہتی ہیں۔ اس لیے انسان کی حیثیت نائب و خلیفہ کی ہے اور اسی حیثیت میں ان املاک کو استعمال کرنے کا مجاز ہے۔ اسے صرف وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مالک نے دیے ہوں یا جسے وہ تسلیم کرتا ہو اور اتنے اختیارات حاصل ہوں گے جتنے مالکِ حقیقی نے سونپے ہوں۔ وہ ان تمام حدود و قیود کے اندر رہنے کا پابند ہے جو مالک نے مقرر کی ہوں۔ بصورت دیگر وہ باغی و نافرمان کہلائے گا اور سزا کا مستحق ہوگا۔

معاشی طور پر دو اہم اور بنیادی شعبے ہیں جو انسانوں کی ضروریات کی تکمیل کے لیے مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ ایک زراعت اور دوسرا صنعت و حرفت' دونوں کے لوازمات کو فراہم کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے مختلف انداز میں لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرنے اور ان کے ذہنوں میں اس حقیقت کو راسخ کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ اپنی معاشی سرگرمیوں کے دوران ان حدود و قیود کا لحاظ رکھیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہیں اور اپنے معاشی نظام کی تشکیل و تعمیر

میں ان اقدار کو سامنے رکھیں جو رازق و کفیل نے خود انہی کی بھلائی کے لیے وضع فرمائی ہیں۔

زراعت کے بارے میں ارشاد ہوا :

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ (سورۃ الواقعہ ۵۶:۶۳ تا ۶۷)

کیا تم نے کبھی سوچا ہے کہ یہ بیج جو تم بوتے ہو' ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو یا ان کو اگانے والے ہم ہیں' ہم اگر چاہیں تو ان کھیتیوں کو بھس بنا کر رکھ دیں اور تم طرح طرح کی باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہم پر تو تاوان ہی پڑ گیا بلکہ ہم تو محروم ہی رہ گئے۔

علامہ اقبالؒ نے اس مفہوم کو نہایت خوبصورت انداز میں اپنی نظم "الارض للہ" میں اجاگر کیا ہے ؂

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون ؟
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب ؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ ساز گار ؟
خاک یہ کس کی ہے ؟ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب ؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب ؟
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب ؟
دہ خدایا یہ زمیں تیری نہیں' تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں' تیری نہیں' میری نہیں

(جاری ہے)

بقیہ : مطبوعات

ہیں۔ سود کا اگر ایک فرد کے لیے مفاد ہے تو مجموعی طور پر معاشرے کے لیے پیغامِ موت ہے علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؂

ظاہر میں تجارت ہے' حقیقت میں جوا ہے　　　سود ایک کا' لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات

مفید اور کارآمد کوشش ہے۔ اس کے مطالعہ کی سب کو سفارش کی جاتی ہے۔ (ع'ع)

رسائل و مسائل

قریبی اَعِزّہ سے پردہ

پردہ کا مسئلہ درپیش ہے۔ براہ کرم رہنمائی فرمائیں۔

۱۔ ایک گھر میں والدین کی موجودگی میں رہنے والے شادی شدہ بھائیوں کی بیویاں اپنے دیور' جیٹھ سے چہرہ کا مکمل پردہ کریں یا صرف اظہار زینت سے پرہیز کریں یعنی سر' کان' گردن اور سینہ پر کپڑا اوڑھے رہیں۔

۲۔ جس حدیث میں دیور کو موت کہا گیا ہے اس کو بعض حضرات ضعیف سمجھتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جو ہستی تمام انسانوں کو جوڑنے والی ہو وہ خاندان کو پھاڑنے کی بات نہیں کرسکتی۔ اس حدیث سے خاندان میں بدظنی پیدا ہوتی ہے اور بدظنی سے آپس میں نفرت اور بیگانگی پیدا ہوتی ہے۔ جبکہ قرآن و حدیث میں جگہ جگہ حسن ظن' محبت اور یگانگت کا درس ہے۔ اسلام دین رحمت ہے نہ کہ زحمت اور والدین کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔

دیور اور دوسرے قریبی عزیز و اقارب سے اصل حکم تو یہی ہے کہ چہرے کا بھی پردہ کیا جائے تاہم اس بات کی گنجائش ہے کہ اگر کسی برائی اور فتنے کا خطرہ نہ ہو تو بقدر ضرورت چہرے کا پردہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ آج کل کے آزادانہ اختلاط سے پرہیز کرتے ہوئے اس گنجائش سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ جب گھر میں کوئی نہ ہو تو دیور کو بھی گھر میں نہیں رہنا چاہیے اور اسی طرح دیگر غیر محرموں کو بھی تنہائی میں غیر محرم عورت سے نہیں ملنا چاہیے۔ حدیث شریف کا یہی مطلب ہے کہ بعض اوقات دیور اور دوسرے قریبی عزیز چونکہ ایک ہی گھر میں رہتے ہیں اور ان پر اعتماد بھی ہوتا ہے اس لیے شیطان ان کو برائی میں زیادہ آسانی سے مبتلا کرسکتا ہے' لہٰذا انہیں زیادہ محتاط رہنا چاہیے۔ موجودہ دور میں تو محرموں کے ساتھ بھی برائی کے واقعات پیش آرہے ہیں۔ اس لیے شرعی حدود کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ حسن ظن کے ساتھ شرعی تدابیر پر

بھی عمل ہونا چاہیے۔ ان کی خلاف ورزی کی صورت میں بدظنی کے مواقع پیدا ہوجاتے ہیں جس سے پورا گھرانہ تباہ ہوجاتا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمتہ اللہ علیہ نے "سورہ نور" اور "سورہ احزاب" کی تفسیر میں تفصیل سے لکھا ہے۔ "پردے کا مسئلہ" بھی ایک جامع کتاب ہے۔ آپ اپنے اہل خانہ اور دوسرے دوستوں کو اس کتاب کا مطالعہ کرائیں۔ واللہ اعلم۔

شعائرِ اسلامی اور غیر مسلم

۱۔ شعائرِ اسلامی سے کیا مراد ہے اور وہ کون کون سے ہیں ؟

۲۔ کیا کلمہ طیبہ، اذان، اور کلمہ دعائیہ "السلام علیکم ورحمتہ اللہ" اور "نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم" اور "انشاء اللہ" یا "ماشاء اللہ" بھی شعائر اسلامی میں شامل ہیں ؟

۳۔ کیا سوال نمبر ۲ میں متذکرہ کلمات کا حق استعمال صرف مسلمانوں کو ہے ؟ اگر کوئی غیر مسلم مثلاً ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی، قادیانی ان کلمات اور علامات کو اپنا لے اور اپنے درودیوار پر تحریر کرے، اپنی گفتگو میں استعمال کرے یا اپنی تحریر میں ہماری طرح شامل کرے تو بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ ان کلمات اور شعائر اسلامی کی توہین ہے۔ جبکہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ غیر مسلموں کا ان کلمات کو اپنی گفتگو یا تحریر میں اپنانا اسلام اور شعائر اسلام کی عظمت کی دلیل ہے۔

براہ کرم ارشاد فرمائیں کہ دونوں میں کون سی رائے احکام شرع کے مطابق درست ہے ؟

۴۔ کیا یہ درست نہیں کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عیسائی وفد کو مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اپنی مذہبی عبادت کرنے کی اجازت عطا فرمائی تھی ؟ پھر آج غیر مسلموں کو ہماری مساجد میں اپنے اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے سے اور بالخصوص قادیانیوں کو نہ صرف مسلمانوں کی مساجد میں بلکہ ان کی اپنی عبادت گاہوں میں بھی نماز کیوں پڑھنے نہیں دی جاتی۔ اس ممانعت کے لیے قرآن و سنت اور فقہ اسلامی میں کیا دلیل ہے ؟

ازراہِ عنایت تمام جوابات سے متعلقہ حوالہ جات ضرور تحریر فرمائیں۔

آپ نے جس مسئلہ کے بارے میں سوالات کیے ہیں اس کے بارے میں تو عدالت سے فیصلے ہوچکے ہیں۔ مرتدین اور ملحدین کو دھوکہ دہی سے روکنا ضروری ہے اور یہ ایک معقول بات

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا" (سورہ التوبہ ۹ : ۲۸) "... مشرکین ناپاک ہیں' لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔" دراصل یہ ایک درمیان والی صورت ہے' ورنہ قادیانیوں کا اصل حکم تو قتل ہے جو مرتد کی یا زندیق کی سزا ہے' اب یہ سزا دینا تو مشکل ہے اس لیے ان کو اس بات کا پابند کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ نہ کریں اور ایسے شعائر کا استعمال نہ کریں جن سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ مسلمان ہیں۔ اس سلسلہ میں تفصیل کی ضرورت ہو تو عدالتی بیانات اور فیصلے منگوا کر مطالعہ کرلیں۔ "عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان" آپ کو یہ فیصلے فراہم کرے گی۔ عیسائیوں کو اب بھی اپنے مذہب کے مطابق عبادات کرنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح تمام غیر مسلم جو مسلمان ہونے کے مدعی نہیں ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کرسکتے ہیں اور کبھی ضرورت پڑے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کو پیش نظر رکھ کر مزید گنجائشیں بھی دی جاسکتی ہیں۔ لیکن قادیانیت تو الحاد' زندقہ اور ارتداد ہے۔ انھیں مسلمانوں کو شکوک و شبہات میں ڈالنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ واللہ اعلم

متعہ

قرآن کے پانچویں پارے کی پہلی آیت کے بارے میں مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں "اس سے متعہ کا حرام ہونا معلوم ہوگیا"۔ مولانا فرمان علی کی تحریر ہے "متعہ کے حلال اور جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے" اس کی کیا وجہ ہے ؟ درست کیا ہے ؟ غلط کیا ہے ؟ اور دونوں کیوں ؟

مولانا فرمان علی صاحب کی بات درست نہیں ہے۔ اس بات میں تو اختلاف ہے کہ متعہ قرآن پاک کی مذکورہ آیت (سورۃ النساء ۴ : ۲۴) سے حرام ہوا ہے یا کہ نہیں لیکن متعہ کا جواز اس آیت سے کسی نے بھی نہیں سمجھا۔ اس آیت میں مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن عورتوں کو حلال قرار دیا گیا ہے نکاح کی قید میں لانے کی اجازت ہے۔ محض شہوت رانی کے لیے انھیں قید میں لانا جائز نہیں ہے۔ سورہ مومنون میں ہے اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ (آیت نمبر ۶) اس آیت میں صرف بیویوں اور لونڈیوں سے نفع اٹھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ بعض علماء اور مفسرین نے اس آیت سے متعہ کی حرمت نکالی ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا مودودی رحمتہ اللہ علیہ نے تفہیم القرآن میں مفصل بحث کی ہے۔ قرآن پاک کی ان آیات سے حرمت متعہ ثابت ہے یا احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اس میں بحث

بقیہ بر صفحہ ۴۲

مطبوعات

عصرِ حاضر کی اسلامی تحریکیں : از جناب منیر احمد خلیلی ، حسن البناء اکیڈمی، علامہ اقبال کالونی ٹینچ بھاٹہ، راولپنڈی صدر۔ ناشر: مکتبہ اردو ڈائجسٹ ، ۲۴ سرکلر روڈ ، لاہور۔ سفید کاغذ پر کمپیوٹری طباعت۔ مضبوط جلد مع رنگین گردپوش۔ صفحات ۲۵۵ ۔ قیمت ۷۰ روپے۔

جواں سال منیر احمد خلیلی بہ حیثیت ایک صاحبِ قلم کے اب صاحبِ مقام بھی ہیں۔ رسائل اور اخبارات میں لکھتے رہے ، پھر ۱۹۹۲ میں انہوں نے ۲ کتابیں شائع کرائیں جو اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ خلیلی صاحب کو اسلام ، اور خصوصاً دورِ حاضر میں احیائے اسلام کی تحریکوں اور خدمتِ اسلام کے لیے تگ و تاز کرنے والی شخصیتوں سے کتنی محبت ہے۔ وہ جن مشکلات کے جنگل کو عبور کر رہے ہیں، وہ نہ صرف ان کی فکر اور سیرت کو پختہ کر دے گا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی خاص دست گیری و مشکل کشائی فرمائے گا۔

فی الحقیقت تحریکاتِ اسلامی (بلکہ تحریکِ اسلامی) مختلف شخصیتوں اور جماعتوں کے ذریعے دنیا بھر میں جہاں جہاں دھندلا یا جامع اور ٹھوس کام کر رہی ہیں ان سب کے تفصیلی احوال مرتب ہو جانے چاہئیں۔ اسلامی تحریک دو خطوں سے آگے پیچھے اٹھی ---- مصر سے اخوان المسلمون کی شکل میں ، اور برصغیر پاک و ہند میں جماعتِ اسلامی کی شکل میں۔ اب بعد میں تو یہ صورت ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں ٹکر اور کشمکش اور مسلمانوں پر ظلم ڈھانے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے ، وہاں بغیر کسی کے پروپیگنڈے کے از خود مولینا مودودیؒ اور تحریکِ اسلامی کے ناموں سے جذبوں اور کرداروں میں ایک عملی رو دوڑنے کا سماں بندھ جاتا ہے۔روسی ریاستوں میں مولینا مودودیؒ ، مقبوضہ کشمیر میں مولانا مودودیؒ مقبوضہ افغانستان میں مولینا مودودیؒ اور دیگر تمام مقامات پر جہاں مسلمانوں میں اٹھان اور حرکت آ رہی ہے، اس نام کو ایک قوتِ محرکہ کی حیثیت حاصل ہے۔ مگر دوسرے تمام خادمانِ احیائے دین کی قدرو منزلت ہمارے دلوں میں ایسی ہے کہ گویا وہ سب مودودیؒ ہیں۔

یہ کتاب جس کا انتساب مولینا ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور امام حسن البناؒ سے کیا گیا ہے ' ساری تحریکوں کا ایک جائزہ پیش کرتی ہے۔

اس کا مقدمہ خلیلی صاحب نے بہت دباؤ ڈال کر مجھ سے لکھوایا مگر اسے چھوڑ کر ہم آگے چلتے ہیں۔ خلیلی صاحب کا پہلا مضمون --- الجماعت اور جماعت --- خاصے اہم مسئلے پر مشتمل ہے۔ دورِ نبوت کے بعد دورِ خلافت اور پھر منہاجِ نبوت سے انحراف کا دور' خلافت کا خاتمہ۔ پھر اس کے بعد مولف نے عنوان لیا ہے "مطلعِ امت پر اسلامی تحریکوں کا ظہور"۔ اس بحث میں حوالوں کے ساتھ تاریخ کا مفصل جائزہ ہے۔ اس کے آخر میں ان تحریکات کو الجماعت اور خلافت کا نام مستقبل میں دینے کی تجویز درست نہیں۔ البتہ امام حسن البناؒ اور مولینا مودودیؒ کی دو جماعتوں کا ذکر کرتے ہوئے' دو ایسی نمایاں خصوصیات بیان کی گئی ہیں جو وزن رکھتی ہیں۔

ایک اہم موضوع "کچھ غارت گر رجحانات" کا ہے۔ بعض خوبیوں کے تذکرے کے ساتھ ان خرابیوں اور خطرات کی نشاندہی کی گئی ہے جو خود رو گھاس اور بالیوں کی طرح اشجارِ طیبہ کے لیے تباہ کن بن جاتی ہیں۔ ان کے لیے بہت محنت سے حوالے اکٹھے کیے گئے ہیں۔ کتاب و سنت سے بھی اور حال کی تحریکوں اور تحریکی بزرگوں کے احوال و اقوال سے بھی۔ یہ بحث خاصی طویل ہے۔ پھر برصغیر پاک و ہند کی تحریکوں کے ظہور اور نشوونما کے حالات مذکور ہیں۔ ضمناً کچھ دوسری تحریکات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مولینا مسعود عالم ندوی کی مشہور کتاب "برصغیر ہندو پاکستان میں اسلامی تحریک کی تاریخ" میں تحریکِ مولینا مودودیؒ سے پہلے کے دور کا جائزہ لیا ہے۔ جناب عبیداللہ جند فلاحی نے "تاریخ دعوت و جہاد" برصغیر کے تناظر میں لکھی۔ اس کتاب میں تبلیغی جماعت ' سلفی تحریک ' حضرت مجدد الف ثانیؒ' شاہ ولی اللہؒ' ان کے عظیم خاندان' شہدائے بالاکوٹ (تحریکِ مجاہدین)' اقبال ' دیوبند اور ندوہ کی عملی و فکری تحریکیں' سب کا ذکر کیا ہے۔ مگر فرائضی تحریک کا ذکر نہیں۔ مولف کا کہنا ہے کہ وقتی ہیجانات اور دین کے کسی جزوی تصور کو لے کر جو کام کیے گئے وہ یا تو مٹ گئے یا تحریک نہ بن سکے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ لوگ لفظ تحریک کا اطلاق بھی اس کے اصطلاحی مفہوم کو سمجھے بغیر کر دیتے ہیں۔

ایک بحث یہ پیدا ہوئی ہے کہ اسلامی تحریکیں مکی دور میں ہیں یا مدنی دور میں۔ اس سلسلے میں خاصی مفید گفتگو ہے۔ اور آگے چل کر تو صحوۂ مبارکہ (Resergence) کا باب آتا ہے' بلکہ اسلامک ریسرجنس کہنا چاہیے یعنی اسلامی تحریکوں کے اثر سے عقیدوں ' اخلاق اور رویوں میں صحیح اسلامی رخ پر افراد میں تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ صحوۂ اسلامیہ کے محرکات و مظاہر' ان کے لیے آفات

اور فتنے ' مثلاً غلو ' غضب ' پھر بے صبری ' عجب و استکبار ' مقصد سے بے تعلق مباحث' نیت میں خلل و فتور۔

اس کے بعد خارجی موانعات ' یعنی مختلف اطراف سے مخالفتوں کے حملے اور سامراج کی ریشہ دوانیاں ' خود اپنی حکومتوں کے معاندانہ رویے اور متعدد مزاحمتی اسباب۔

کتاب کی اہم ترین بحث جس میں اسلامی تحریکوں کی اندرونی غلطیوں ' کوتاہیوں اور منفی رجحانات کا ہمدردانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ اس رخ پر سوچنے والے اور لکھنے والے کم ہی لوگ ہیں ' جو ہیں وہ ذہنی کشمکش اور اپنے عہدوں کے زیر اثر ایسا ٹھنڈا ' معتدل اور خیر خواہانہ مضمون مشکل سے لکھ سکیں گے۔

میں نے اپنا مقدمہ اسی باب سے متاثر ہو کر لکھا۔

۱۹۹۲ کی شائع شدہ کتابوں میں سے ایک اچھی کتاب ' جسے تمام مسلمانوں کو خصوصاً احیائے اسلام کا جذبہ رکھنے والوں کو ضرور پڑھنا چاہیے۔

(ن - ص)

نونہال دینیات : پیش کش بیت الحکمت۔ پتہ : بند مراد خان' پوسٹ آفس مدینۃ الحکمت ' کراچی ۷۴۷۰۰ ـ ۵ حصوں کے مجموعی صفحات ۱۹۴۔ کاغذ دبیز سفید' طباعت خوشنما' ٹائٹیل قدیم طرز نقاشی کے ساتھ کئی رنگوں میں' دبیز آرٹ پیپر پر۔

یہ پہلی سے پانچویں جماعت تک دینیات کا نصابی سیٹ ہے۔ اس میں مجموعی طور پر بھی زبان بڑی آسان ہے۔ مگر درجات کے لحاظ سے بھی تدریجاً" مضامین کی وسعت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ زبان کی سطح بھی بلند ہوتی ہے۔ پہلے حصے میں اللہ' اللہ کے رسول" ہمارا دین (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا تصور) ' ماں باپ' استاد کا ادب' سچائی' دیانت' نیک عادتیں (نظم)۔ نظمیں اور بھی ہیں' نیز رنگین تصویریں فوٹو آرٹ پیپر پر۔ کمال یہ کہ نہایت خوبصورت تصویریں مگر جانداروں کی نہیں۔

اسی طرح بقیہ حصوں میں ایک ایک درجے کے مطابق مضامین اور ہر مضمون کے خاتمے پر ایسے سوالات جو طلبہ کے حافظے کے لیے بھی معاون ہوں' اور ان کے حقیقی علم کا بھی اندازہ ہو کہ انہوں نے پڑھ کر کیا اخذ کیا۔

تمام حصوں کے آغاز میں حکیم محمد سعید صاحب کا پیش لفظ جس میں علی الخصوص یہ بتایا گیا ہے کہ اس سلسلہ "نونہال دینیات" کو سابق ریاست حیدر آباد دکن کے اسکولوں میں مروجہ نصاب کو سامنے رکھ کر مرتبین نے نئی شکل میں لکھا۔ حیدر آبادی کتبِ دینیات کی ترتیب و تدوین مولانا مناظر احسن گیلانی' پروفیسر عبدالباری ندوی' مولانا عبدالقدیر صدیقی' مولانا سید ہاشمی فرید آبادی جیسے بزرگوں کی زیر نگرانی ہوئی تھی۔

وہ نوٹ بھی بڑا اہم ہے جو "اساتذہ کے لیے" کے عنوان سے ان رسائل کے خاتمے پر لکھا گیا ہے۔ نیز یہ سفارش بھی کی گئی ہے کہ اساتذہ حسبِ ذیل کتابوں سے بھی استفادہ کریں: "اسلام کیا ہے؟" (محمد منظور نعمانی) "تعلیم الاسلام" (مفتی کفایت اللہ) "دین کی باتیں" (محمد عبدالحیٔ) "خطبات" (ابوالاعلیٰ مودودیؒ)۔ یہاں اگر مولانا مودودیؒ کے رسالہ دینیات کا بھی ذکر ہو جاتا تو اچھا تھا' کیونکہ وہ نصابی ضروریات کے مطابق لکھا گیا تھا۔ یہ بہرحال ایک اچھا نمونہ ہے جو حکیم محمد سعید' صاحب بیت الحکمتہ نے پیش کیا ہے۔

اسلامی نصابی کتبِ دینیات کی ان دنوں بڑی مانگ ہے۔ شائقین اس سیٹ کو بھی دیکھیں اور کم از کم مدارس کی لائبریریوں میں یہ پانچوں رسائل موجود ہونے چاہئیں۔

(ن ۔ ص)

مولانا ابوالکلام آزاد ـــ آثار و افکار: مولفہ محمود واجد ہاشمی۔ ناشر: ادارۂ تحقیقات افکار و تحریکات ملی' پاکستان ملنے کا پتہ: مکتبہ رشیدیہ' مراد سٹریٹ' پاکستان چوک' کراچی ۔ دوسرا پتہ: مکتبہ شاہد' علی گڑھ کالونی' کراچی ۴۱' صفحات: ۱۲۸' کتابت و طباعت متوسط۔ مجلد مع گردپوش مزین بہ تصویر مولانا آزاد۔ قیمت ۳۵ روپے۔

محمود واجد ہاشمی مشہور افسانہ نگار ہیں۔ ایم اے ہیں۔ ان کے سفرِ تعلیم و سیاحت ذوق کی بڑی لمبی کہانی ہے۔

اس کتاب میں مولانا آزاد کے متعلق ایک قابلِ توجہ انٹرویو ہے جو محمود واجد صاحب نے محمد ابراہیم زکریا (عرف مسٹر صاحب) سے لیا۔ دوسرا اہم مضمون "مولانا ابوالکلام خطوط کے آئینے میں" کے عنوان سے ہے۔ اس مضمون کی تمہید بجائے خود بہت معلوماتی اور دلچسپ ہے۔ پہلا ہی خط ایک صاحب کی طرف سے دوسری شادی کرنے کے لیے استفسار اور استشارہ پر مشتمل ہے۔ بہت اچھا جواب دیا ہے۔ اس کا ایک جملہ ہے "صداقتِ حیات بجز قربانی کے اور کچھ نہیں' اگر ہم اپنی خواہشوں کو قربان نہیں کر سکتے تو پھر نہ دنیا میں محبت ہے' نہ سچائی اور نہ انسان"۔ پھر یہ

جملہ کہ "دل سے اوپر بھی ایک طاقت ہے اس کو جگا دیجیے سونے نہ دیجیے۔ وہ دل کی لگام جس طرف چاہے گی موڑ دے گی۔" خط ۱۳ میں نصیحت کرتے ہیں کہ "بہت سے لوگ باوجود صلاحیت و قابلیت کے اپنی زندگی سے کوئی بڑا کام مدت العمر نہ لے سکے۔ صرف اس لیے کہ کوئی مستقل نظامِ عمل ان کے سامنے نہ تھا۔" یہ کل ۲۷ خط ہیں۔

تیسرا مضمون درسِ قرآنِ حکیم ۵ فروری ۱۹۷۶ء سے چل کر ۲۷ مارچ ۱۹۷۶ء پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس میں مولانا کے خاص اندازِ فکر کے ساتھ فہمِ قرآن اور تفہیمِ قرآن کے نمونے ملتے ہیں۔ ان چیزوں کو درج کرنا بڑا مشکل ہے۔

میں ایک بات ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ سیاسی مناقشات اور مخالفتوں کو علم و تحقیق کی سلطنت کو پارہ پارہ نہ کر دینا چاہیے۔ دنیا کا ہر آدمی' ہر ادارہ' ہر مذہب کے لوگ ہر قسم کے فلسفی اور ادیب اس قابل ہیں کہ ان کی کاوشوں سے استفادہ کیا جائے۔ اصول وہی کہ خذ ماصفا و دع ماکدر اور اس اصول کا پیمانہ بھی کتاب و سنت اور ان کے سائے میں پرورش پانے والی عقل ہے۔

(ن-ص)

تجارتی سود اور عالمی انتشار مولف: محمد عظیم اللہ — نظام پورہ' گورکھپور' یو' پی' انڈیا' صفحات ۱۲۸۔ قیمت درج نہیں۔

سود نجی ہو یا تجارتی قرآن مجید کی نصِ صریح احل اللہ البیع و حرم الربوا کی رو سے بالاتفاق قطعی حرام ہے نیز ارشادات نبویؐ میں بھی اس کی ابدی حرمت بصراحت بیان ہوئی ہے اسی بنا پر امتہ مسلمہ مجموعی طور پر سود کی قطعی حرمت کی قائل ہے۔

سود کاری جس ملک یا قوم کے نظامِ معیشت میں داخل ہو جاتی ہے وہاں انسانیت کا ارتقاء رک جاتا ہے۔ البتہ فلک بوس بے فائدہ عمارتوں اور محلات کی کثرت ہو جاتی ہے۔ ملک میں طبقاتی تقسیم ہو جاتی ہے' جس کے نتیجہ میں محبت و خلوص' ایثار و قربانی' ہمدردی' خیر خواہی اور غمگساری کی جگہ حرص و طمع' خود غرضی' مفاد پرستی' اقربا پروری' بخل و کنجوسی ایسی صفات لے لیتی ہیں جو لوگوں میں باہمی عداوت اور دشمنی کا موجب بنتی ہیں۔ یہی چیز تاریخ انسانی میں انسانیت اور تہذیب و اخلاق کے لیے زہرِ قاتل ثابت ہوتی ہے۔

ایسی مہلک و تباہ کن چیز کے بارے میں اس کتاب میں تجزیہ کر کے دلائل سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ سود خوری کے ناسور نے عالمی معاشروں میں تباہ کن اثرات مرتب کیے

بقیہ بر صفحہ ۴۸

REGD. NO. L 5348

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN**